إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

جواہراتِ حالی

یعنی شمس العلما مولانا حافظ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے دورِ آخر کی پر معارف اور بیش بہا متفرق نظمیں جو صرف ایک جگہ کسی اخبار یا رسالہ میں چھپ کر ہمیشہ کے لئے پبلک کی نظروں سے مخفی ہو گئی تھیں اور جن کے حاصل ہونے کی بظاہر کوئی امید نہ تھی۔ نیز مولانا کا وہ تمام نایاب منثور اور منظوم کلام جو آج تک پبلک میں نہیں آیا اور نہ اسوقت تک کہیں شائع ہوا۔ نہایت محنت و کاوش اور عرصۂ دراز کی تلاش و جستجو کے بعد مولانا حالی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قلمی مسودوں اور رسائل و اخبارات کے فائلوں سے ڈھونڈ کر پہلی مرتبہ یکجا جمع کیا گیا

مع ایک مبسوط مقدمہ کے جس میں مولانا حالی کی بے نظیر شاعری کی مفصل اور مسلسل تاریخ بیان کی گئی ہے

مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل سکرٹری ورنیکل پبلک لائبریری پانی پت

برائے "حالی بک ڈپو پانی پت"

قیمت فی جلد عہ - مجلد عہ محصولڈاک ۵ر

فہرست مضامین "جواہرات حالی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

جواہراتِ حالیؔ

شمس العلماء مولانا حافظ خواجہ الطاف حسین رحؒ صاحب حالی نے جو رُوح اُردو شاعری کے بیجان جسم میں ڈالی ہے اور ایشیائی شاعری کو جس میں عشقیہ فسانوں۔ ہجر و وصال کے جھگڑوں اور گُل و بلبل کے تذکروں کے سوا بالعموم کچھ نہ تھا جس اعلیٰ درجہ کے اخلاقی۔ ادبی اور فلسفیانہ لٹریچر کے سانچے میں ڈھالا ہے وہ کسی مزید تعارف کا رہینِ منت نہیں۔ آج ایک دُنیا اُس سے واقف اور سارا ہندوستان اُن کے کلام کا گرویدہ ہے۔ ہندوستان کے طول اور عرض میں جس شوق و ذوق اور دلچسپی کے ساتھ حالی کا کلام پڑھا جاتا ہے اُس کے لیے کسی دلیل اور بُرہان کی ضرورت نہیں۔ جو قبولیت جتنی ہردلعزیزی اور جس قدر شہرت مولانا کے کلام کو ہندوستان میں حاصل ہوئی اُس کی نظیر موجودہ اُردو شعراء کے کلام میں تلاش کرنی ایک فعلِ عبث ہے۔ اخلاق اصلاح معاشرت۔ تہذیب و تمدن اور پند و موعظت کے جو جواہر ریزے حالی کے کلام میں پائے جاتے ہیں اُنہی نے مولانا کو "ایک فلسفی شاعر" کا لقب دیا ہے۔ حُب الوطنی قومی ہمدردی اور بہی خواہیٔ ملک کا جوش جس قدر مولانا نے کلام میں ہے کیا اُس کی

مثال کسی دوسرے اُردو شاعر کے کلام میں بھی مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں حالی کے کلام کی عظمت۔ وقعت۔ ہر دلعزیزی اور مفید ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُس کی شہرت وطن سے نکل کر انگلستان اور فرانس تک پہنچ چکی ہے اور اُن کی نظموں کے تراجم بیسوں زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

مولانا اپنی طرز خاص کے موجد اور نیچرل اور قومی شاعری کے مجدد ہیں اور اس اعتبار سے اُن کا مرتبہ شعرائے اُردو میں وہی ہے جو انگریزی شاعری میں گولڈ اسمتھ کا ہے اُس نے بھی اپنے یہاں کی شاعری کو جو ایک چمن کی مانند تھی فضول گوئی کے خس و خاشاک اور مبالغہ پسندی کی جھاڑیوں سے صاف کیا ہے۔

اپنے ناصحانہ اور فلسفیانہ کلام کے باعث حالی کا شمار جس طبقہ میں ہے وہ عام شعرائے کے درجہ سے بہت بالا ہے۔ مولانا بجا طور سے معلمین اخلاق اور مصلحین اقوام کے طبقہ میں جگہ پانے کے مستحق ہیں متقدمین میں صرف ایک ہی شاعر ہے جس سے مولانا کو نسبت دی جا سکتی ہے اور وہ سعدی علیہ الرحمۃ ہیں۔ لیکن "سعدی شیراز" کے کلام میں جہاں فطرتِ انسانی کی گہری واقفیت مولانا سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے وہاں بعض بعض جگہ ایسی باتیں بھی آگئی ہیں جو عورتوں اور بچوں کو نہیں پڑھائی جا سکتیں مگر "سعدیٔ ہند" کے کلام میں یہ بات نہیں۔ اُسے آپ جہاں سے بھی پڑھیں بالعموم ناصحانہ۔ بزرگانہ اور اخلاق و ادب سے مملو پائیں گے۔ ابھی تو خیر! لیکن جب وہ وقت آئے گا کہ حالی کا کُل کلام درسیات میں پڑھایا جانے لگے گا اُس وقت اُن کے کلام کی عظمت۔ بزرگی۔ فوائد اور خوبیاں پُورے طور پر ظاہر ہوں گی۔

مولانا بحیثیت ایک شاعر کے اول اول ۱۸۷۴ء میں پبلک سے روشناس ہوئے جبکہ آپ نے پنجاب گورنمنٹ بکڈپو کی ملازمت کے زمانہ میں چار نظمیں یعنی برکھارت۔ نشاطِ امید۔ حُبِ وطن اور مناظرۂ رحم و انصاف اُس مشہور

ومعروف تاریخی مشاعرے میں پڑھیں جس کو کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سرشتہ تعلیم پنجاب کی زیر سرپرستی شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے قائم کیا تھا اور جس میں بجائے مصرع طرح کے مختلف مضامین دیدیئے جاتے تھے جن پر شعراء طبع آزمائیاں کیا کرتے تھے۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مولانا آب وہوا کی ناموافقت کے باعث لاہور سے تبدیل ہوکر اینگلو عربک سکول دہلی کی مدرسی پر چلے آئے جہاں آپنے سرسید مرحوم کی تحریک سے ۱۸۷۹ء میں وہ عدیم النظیر بےمثل اور لاجواب مسدس لکھی جو مستغنی عن التعریف ہے اور جس کے اب تک بلا مبالغہ سینکڑوں ایڈیشن ایک سے ایک اعلیٰ شائع ہوچکے ہیں یہی مسدس ہے جس نے حالی کے نام کو چار دانگ عالم میں مشہور کردیا اور مسلمانوں کا کوئی بچہ نہیں رہا جس کی زبان پر مسدس کا بند اور "حالی" کا نام نہ ہو۔ بغیر ایک ذرہ تامل کے نہایت یقین اور وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو مقبولیت اور ہر دلعزیزی مسدس کو حاصل ہوئی اور جتنی بے تعداد مرتبہ وہ ملک کے مختلف مطابع سے چھپ کر شائع ہوئی اتنی مقبولیت اور اشاعت آج تک کسی اردو تصنیف کو حاصل نہیں ہوئی اور نہ مستقبل قریب میں امید ہے کہ کسی کتاب کو اتنی ہر دلعزیزی حاصل ہو۔

اس عدیم المثال مسدس کے شائع ہونے کے بعد مولانا نے تین نظمیں اور شائع کیں یعنی مناجات بیوہ۔ شکوۂ ہند اور مثنوی حقوق اولاد۔

(۱) اول الذکر ایک نہایت ہی معرکۃ الآرا اور حد درجہ کی درد انگیز نظم ہے جس میں زمانۂ بیوگی کے مصائب ایسے سیدھے سادے مگر دل ہلادینے والے الفاظ میں بیان کیے ہیں کہ ممکن نہیں نہایت سخت دل انسان بھی اس کو پڑھ کر بغیر آنسو بہائے رہ سکے۔ بچپن کی شادی کے جو ہولناک نتائج مولانا نے اس میں

بیان کیے ہیں وہ اپنے اسلوب بیان میں بے انتہا اثر رکھتے ہیں۔

(۲) شکوہ ہند مشہور ترکیب بند ہے جو ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا اس میں مولانا نے مسلمانوں کے قدیم خصائل حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کا تذکرہ جس عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے اور موجودہ حالت تنزل و پستی کا نقشہ جس حسرت آگین پیرایہ میں کھینچا ہے اُس کی خوبی صرف مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۳) موخر الذکر نظم ایک مثنوی ہے جس میں اولاد کو بیجا لاڈ پیار میں رکھکر اُس کی باقاعدہ تعلیم و تربیت نہ کرنے اور اولاد کو آزاد چھوڑ دینے کے مہلک ترین نتائج و عواقب ایک مکالمہ کی صورت میں اس خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ ہر شعر دل میں بیٹھتا چلا جاتا ہے۔

یہ تینوں نظمیں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بار بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں بالخصوص "مناجات بیوہ" کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

ان نظموں کے شائع ہونے کے بعد ۱۸۹۰ء میں مولانا نے مجموعہ نظم حالی کے نام سے اپنی متفرق اور مختلف مگر نسبتاً طویل نظموں کا ایک مجموعہ شائع کیا جس میں مندرجۂ ذیل چودہ نظمیں تھیں۔

(۱) برکھارُت (۲) نشاطِ اُمید (۳) حُبِ وطن (۴) مناظرہ رحم و انصاف یہ وہی چاروں مثنویاں ہیں جن کا تذکرہ شروع میں آچکا ہے اور جو انجمن پنجاب کے مشاعروں میں پڑھی گئیں۔ یہ چاروں ۱۸۷۴ء کی تصنیف ہیں۔ (۵) جوا کھری کا کام۔ یہ مثنوی اول الذکر چاروں مثنویوں سے دو برس قبل یعنی ۱۸۷۲ء کی تصنیف ہے۔

(۶) مسدس ننگ خدمت۔ یہ ۱۸۸۵ء کی تصنیف ہے۔

(۷) **ترکیب بند تہنیتِ قیصری** - یہ ایک طویل انگریزی نظم کے صرف ایک حصہ کا ترجمہ ہی جو سنہ ۱۸۷۷ء میں اصل مصنف مسٹر ایسٹوک کی خواہش اور کرنل ڈیوس ڈپٹی کمشنر دہلی کے اصرار سے مولانا نے کیا تھا۔

(۸) **ترکیب بند مدرسۃ العلوم مسلمانان** جو سنہ ۱۸۸۱ء میں مرتب ہوا تھا۔

(۹) **مثنوی تعصب و انصاف** - یہ نظم سنہ ۱۸۸۲ء کی تصنیف ہی۔

(۱۰-۱۱) **مثنوی کلمۃ الحق** اور **مناظرۂ واعظ و شاعر** - یہ دونوں نظمیں سنہ ۱۸۸۳ء میں لکھی گئی تھیں۔

(۱۲) **چھوٹ اور ایکے کا مناظرہ** - جس میں مولانا نے اتفاق کی خوبیاں اور نفاق کی خرابیاں بیان کی ہیں۔

(۱۳) **ترکیب بند تعلیم مسلمانان** - جو دسمبر سنہ ۱۸۸۶ء میں "محمدن ایجوکیشنل کانفرنس" کے چوتھے اجلاس کے موقع پر بمقام علیگڈھ پڑھا گیا تھا۔

(۱۴) **قصیدۂ جشن جوبلی** - جو "انجمن اسلامیہ لاہور" کے اڈریس کے ساتھ انجمن کی طرف سے سنہ ۱۸۸۷ء میں بحضور ملکہ معظمہ گذرانا گیا تھا۔

یہ مجموعہ نظم عام ہی اور ہر جگہ ملتا ہی۔ تیرہ برس کے بعد سنہ ۱۹۰۳ء میں اس کا ایک اڈیشن بعد کی کہی ہوئی نظموں کے اضافہ کے ساتھ مولوی سید **وحید الدین** صاحب سلیم اڈیٹر رسالہ **معارف** نے **پانی پت** سے شائع کیا تھا۔ اس میں ایک نظم **صدائے گدایانِ قوم** تو مولانا کے دیوان میں موجود ہی باقی کی تین نظمیں البتہ نئی تھیں لیکن یہ اڈیشن اب ناپید ہی اور کہیں نہیں ملتا۔

"مجموعہ نظم حالی" کے بعد سنہ ۱۸۹۳ء میں مولانا کا **دیوان** شائع ہوا جس کا بے نظیر اور مبسوط مقدمہ ۲۰۰ صفحات پر نہایت تلاش و تحقیق اور بہت غور و تدبر کے بعد نہایت جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہی۔ فن شاعری کے متعلق ہر بات اسمیں

نہایت تشریح و تفصیل اور بڑی توضیح و تفسیر سے بیان کی گئی ہے مثلاً شعر اور اُس کی
ماہیت ۔ نیچرل شاعری کی تعریف ۔ فن شعر کی تاریخ اور صدر اسلام عہد وسطیٰ اور آخر زمانہ
کی اسلامی شاعری کی کیفیت اور عہد بعہد کے عروج و زوال کی تصاویر ۔ شاعری کے
لوازمات ۔ اخلاق و ادب کے ساتھ شعر کا تعلق ۔ ایشیائی شاعری کے عیوب ۔
بُری شاعری سے سوسائٹی اور لٹریچر کو جو نقصان پہنچتے ہیں اُن کی تفصیل ۔ شاعری
میں جھوٹ اور مبالغہ کے نقصانات ۔ غزل ۔ قصیدہ ۔ مرثیہ اور مثنوی کی موجودہ حالت
اور ان میں سے ہر ایک پر مفصل تنقید ۔ اُردو شاعری کی سقیم حالت اور اُس کی ترقی کی
تدابیر ۔ وغیرہ وغیرہ بہت سے مفید ترین اور دلچسپ مسائل ہیں جن پر مولانا نے
خوش اسلوبی اور تہذیب و متانت کے ساتھ نہایت سیر کن بحث کی ہے اور جس مسئلہ پر قلم اُٹھایا
ہے اُس کے ہر پہلو پر نظر ڈالی اور اپنے خیالات کی تائید میں دلائلِ عقلیہ کے علاوہ
مشرق و مغرب کے اُن زبردست مصنفین اور شعرائے قدیم کی رائیں بھی درج کی ہیں
جن کا فیصلہ مسئلہ متنازعہ میں قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے ۔ مُقدمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ اُس کے ذی منزلت مصنف کو فن شاعری کے اُصول و فروع اور اُس کی تاریخ
پر کتنا قابو حاصل ہے ۔ ہر شخص جو اپنی شاعری کو عیوب سے مُنزہ کرنا اور اُسے نیچرل سانچے
میں ڈھالنا چاہیے اُس کے لیئے نہایت ضروری ہے کہ مولانا کے اس مُقدمۂ دیوان کو بار
بار نہایت غور کے ساتھ مطالعہ کرے ۔ نیز لٹریچر سے ذرا سی بھی مناسبت رکھنے والے
شائقین کے لیے اس مُقدمہ کا مطالعہ یقیناً ازدیادِ معلومات کا باعث اور دلچسپی کا
موجب ہوگا ۔

مقدمہ کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے ۔ پہلے کچھ **قطعات** ہیں جو سراسر
پند و موعظت اور وعظ و نصیحت سے معمور ہیں ۔ پھر **قدیم و جدید غزلیات** ہیں
بعد ازاں سو کے قریب **رُباعیات** ہیں جو الگ بھی کتابی شکل میں متعدد مرتبہ چھپ چکی

ہیں۔ ان میں کی ایک ایک رُباعی اپنے ناصحانہ مضامین کے لحاظ سے جواہرات کا مول رکھتی ہے۔ آخر میں **قصائد**۔ **مُسدّس**۔ **ترکیب بند**۔ **مرثیے** باقیماندہ **قطعات** اور مختلف **تاریخیں** وغیرہ ہیں۔ دیوان عرصہ سے کمیاب تھا مگر ۲ سال کے بعد ۱۹۱۸ء میں اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے اور "حالی بک ڈپو پانی پت" سے ساڑھے تین روپیہ قیمت پر مل سکتا ہے۔

دیوان کے شائع ہونے کے بعد بھی مولانا نے بہت کچھ کہا ہے اور آخر وقت تک کچھ نہ کچھ کہتے رہے اِن افکارِ عالیہ کا بیشتر حصہ مختلف اخبارات و رسائل کے ذریعہ وقتاً فوقتاً پبلک میں آتا رہا ہے لیکن آج تک کسی مجموعہ کی صورت میں جمع اور مرتب ہو کر شائع نہیں ہوا۔

اِس دورِ آخر میں مولانا نے بعض نظمیں صغیر السن بچّوں کے لیے لکھی ہیں۔ بہت سی رُباعیات ہیں۔ چند ترکیب بند ہیں۔ تھوڑے سے قصائد ہیں۔ کچھ مرثیے ہیں۔ دس بارہ کے قریب قطعات ہیں۔ سات آٹھ غزلیات ہیں اور باقی حصہ مختلف کلام اور متفرق اشعار کا ہے۔

بعد کے اس کلام میں سب سے زیادہ شہرت مولانا کی دو نظموں کو حاصل ہوئی۔ ایک کا عنوان **تحفۃ الاخوان** اور دوسری کا نام **چُپ کی داد** ہے۔ اول الذکر سنہ ۱۹۰۲ء کی اور موخر الذکر سنہ ۱۹۰۵ء کی تصنیف ہے۔

اُس کلام کے علاوہ جو اخبارات یا رسائل میں چھپ کر ایک حد تک پبلک میں آچکا ہے بہت سا کلام مولانا کا ایسا بھی ہے جو آج تک کسی اخبار یا رسالہ میں شائع نہیں ہوا اور قلمی مسودوں کی شکل میں ہے۔

کسی شاعر یا مصنف کا جو کلام یا مضامین وغیرہ اخبارات یا رسائل میں شائع ہوتے ہیں اگر جلد تر کتابی شکل میں ان کو جمع اور مرتب نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ

کچھ عرصہ گذر چکنے کے بعد وہ عموماً تمام کے تمام ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں کیونکہ نہ ہر شخص اتنی استعداد نیز فرصت رکھتا ہے کہ روزمرہ اخبارات یا رسائل کا ایک ڈھیر جو بھی رساں اُس کے مکان پر ڈے جایا کرے اور وہ اطمینان سے مصنفین اور شعرا کے خیالات سے لطف اُٹھاتا ہے نہ عام طور سے اخبارات کے فائل محفوظ رہتے ہیں اور اگر محفوظ بھی رہیں تو کون اتنی دردسری گوارا کرتا ہے کہ مختلف اخبارات ورسائل کے بے انتہا اور لاتعداد فائلوں میں سے اساتذہ کا کلام ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پڑھا کرے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کلام کی اشاعت پر کچھ عرصہ گذر چکنے کے بعد اُس کی تلاش "عنقا" کے حصول کی کوشش سے بھی زیادہ دشوار ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں تو یہ حالت ہے کہ نظم یا مضمون اخبار یا رسالہ میں شائع ہوا بس اُس وقت تو واہ واہ اور سبحان اللہ ہو گئی بعد میں اخبار ردّی کی ٹوکری میں گیا اور نظم یا مضمون ناظر کے ذہن سے اُتر گیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔

سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا کے دورِ آخر کے بہت سے کلام کا بھی جو افکارِ حالی کے بہترین جواہر ریزے تھے یہی حشر ہوا۔ جو نظمیں اور اشعار قلمی مسودات کی شکل میں تھے اور اخبارات یا رسائل میں بالکل شائع نہیں ہوئے تھے اُنہیں تو کون جمع کرتا؟ وہ بے نظیر نظمیں بھی جو لٹریچر کی جان تھیں اور جنہیں وقتاً فوقتاً اخبارات ورسائل نے بمنت اور کوشش مولانا سے حاصل کر کے اُن سے اپنے پرچوں کو زینت دی تھی کسی بندۂ خدا کو اُن کے بھی یکجا مرتب کرنے کی توفیق نہ ہوئی پبلک کی بے توجہی اور اہل قلم حضرات کی بے پرواہی کا نہایت افسوسناک نتیجہ ہوا کہ اِس وحید العصر شاعر اور فرد فرید فلسفی کا بہت سا کلام قعرِ گمنامی میں چھپ کر ہمیشہ کے لیے دُنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اب بظاہر کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم اُن ضائع شدہ جواہرات سے اپنی جھولی بھر سکیں۔ افسوس!

تین چار سال ہوئے میں نے اس ضرورت کو محسوس کر کے خیال کیا کہ اگر مولانا کے دورِ آخر کا وہ کلام جو وقتاً فوقتاً ملک کے جرائدِ علیہ میں شائع ہوتا رہا ہے جتنا اور جو کچھ بھی مل سکے۔ نیز وہ کلام جو ابھی تک قلمی مسودوں کی شکل میں ہے اور کہیں بھی نہیں چھپا جس قدر بھی مُہیا ہو سکے وہ سب اگر ایک ترتیب کے ساتھ یکجا جمع ہو جائے تو یہ ایک علمی اور ادبی خدمت ہو گی۔ "حالی مُسلم ہائی سکول" کے تعلق اور بالخصوص مولانائے مرحوم کے کُتب خانہ کا انچارج ہونے کے لحاظ سے مولانا کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام کو جمع کرنے کے جو مواقع خوش قسمتی سے مجھے حاصل تھے وہ کسی دُوسرے شخص کو جو یہ کام کرنا چاہتا بمشکل ہی حاصل ہو سکتے تھے۔ لیکن یہ کام دس پانچ دن یا مہینے دو مہینے کا نہ تھا۔ اخبارات کے فائلوں اور رسائل کی جلدوں میں سے مولانا کے کلام کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا نہایت محنت اور جانفشانی کو چاہتا تھا۔ سینکڑوں اوراق کو پلٹنے اور بہت سے رسائل کو بہ نظرِ غور دیکھنے کے بعد کہیں ایک آدھ غزل۔ قطعہ یا رُباعی ملتی تھی۔ نیز قلمی مُسودات کو تلاش کرنا اور بھی زیادہ دِقت طلب اور مُشکل کام نظر آتا تھا۔ اکثر مرتبہ جب اخبارات کے بے انتہا ڈھیروں کو دیکھ کر خیال آتا کہ اِن میں سے ایک ایک کا مطالعہ کرنا پڑے گا تو اِس کام سے جی چھوٹ جاتا تھا مگر پھر ہمت بندھتی اور میں کام پر مُستعد ہو جاتا بالآخر خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شُکر و احسان ہے کہ آج تین چار سال کے بعد میں اپنی اس دیرینہ آرزو میں کامیاب ہوا۔ اور اس طویل عرصہ کی سخت محنت و کاوش کے نتائج ناظرین کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔

میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ اس مجموعہ میں مولانا کا وہ کُل کا کُل کلام موجود ہے جو "دیوان حالی" کے شائع ہونے کے بعد سے آخر عمر تک مولانا نے کہا ہے اور اب کوئی نظم ایسی باقی نہیں رہی جو اس مجموعہ میں شامل نہ ہو۔ نہیں! بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ بہت سے

اشعار اس وقت بھی ایسے ہوں جن تک میری دسترس نہ ہو سکی ہو۔ لیکن جو کچھ اور جہاں سے بھی میں جمع اور تلاش کر سکتا تھا اُس کے حاصل کرنے میں میں نے حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور جب کسی مزید نظم یا نئے اشعار کے ملنے سے قطعاً مایوس ہو گیا اُس وقت جمع شدہ مجموعہ کو ترتیب دینے بیٹھا اور جیسا کہ ناظرین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے میں نے تمام جمع شدہ کلام کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا :۔

حصّہ اوّل - میں وہ نظمیں ہیں جو مولانا نے صغیرالسّن بچوں کے لیے لکھی ہیں اور اسی لیے بچّوں کی سمجھ کے موافق ان نظموں میں مولانا نے نہایت آسان اور سہل الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ابتدائی دو نظموں اور آخر کی ایک نظم کو چھوڑ کر اس حصّہ کی باقی نظمیں غالباً انگریزی نظموں کا ترجمہ ہیں جو ایچ۔ ٹی۔ نولٹن صاحب بہادر پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی فرمایش سے مولانا نے شاید ۱۹۰۵ء میں کہی تھیں۔

حصّہ دوم - میں "رباعیات" ہیں۔ مولانا کے آخر کلام میں تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ حصّہ رباعیات کا ہے۔ چونکہ خانگی جھگڑوں بکھیڑوں نیز اضمحلال قویٰ کے باعث آخر عمر میں مولانا زیادہ دماغ پر زور نہ ڈال سکتے تھے لہٰذا اکثر رباعیاں کہتے تھے کیونکہ اصنافِ سخن میں رباعی ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں صرف ایک ہی مختصر مضمون دو شعروں میں ادا کرنا ہوتا ہے اور دوسری قسم کی نظموں کی طرح اُس پر نسبتاً زیادہ دماغ سوزی اور کاوش نہیں کرنی پڑتی۔ اس لحاظ سے رباعی دیگر اقسامِ نظم کی نسبت آسانی کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔

حصّہ سوم میں مختلف "ترکیب بند" جمع کیے گئے ہیں۔

حصّہ چہارم میں وہ مرثیے لکھے گئے ہیں جو مختلف افراد و اشخاص کے انتقال کے وقت مولانا نے کہے تھے۔

حصّہ پنجم میں "قطعات" ہیں۔

حصۂ ششم میں "غزلیات" ہیں۔
حصۂ ہفتم "متفرق کلام" کا ہے۔

یہ ہے اس مجموعہ کی مختصر اور مجمل کیفیت۔

میں ایسے حضرات کا نہایت ممنون ہوگا جو مجھے مولانا کی کسی ایسی نظم سے مطلع فرمائیں گے جو اُن کو اس مجموعہ میں نہ ملے نہایت شکریہ کے ساتھ میں اُس کو کتاب کے دُوسرے اڈیشن میں شامل کر دوں گا۔

کتاب کی ترتیب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس میں پانچ ایسی بھی نظمیں شامل کی گئی ہیں جو علیحدہ طور سے کتابی شکل میں چھپی ہوئی بکثرت ملتی ہیں مثلاً مناجاتِ بیوہ۔ مثنوی حقوقِ اولاد۔ شکوۂ ہند۔ تحفۃ الاخوان۔ قصیدۂ غیاثیہ وغیرہ۔ بادی النظر میں ان سہل الحصول نظموں کی شمولیت اس مجموعہ میں کچھ زیادہ موزوں معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم ایسا کرنے کی وجہ بتلائے دیتے ہیں وہ یہ کہ آخر عمر میں مولانا کا ارادہ تھا کہ اپنی "کلیات نظم" چھپوائیں جس میں وہ سب کچھ ہو جو وقتاً فوقتاً مولانا کے دماغ سے نکلا ہے بہت محنت و کاوش کے بعد اس میں اتنی کامیابی تو ہوئی کہ مولانا کے انتقال کے وقت "کلیات نظم اُردو کا ضمیمہ" جو فارسی و عربی کلام پر مشتمل ہے پریس میں جا چکا تھا۔ باقی کلیات زیر ترتیب ہی تھا کہ مولانا نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور کام بیچ کا بیچ میں رہ گیا۔ ہم نے اس خیال سے کہ مولانا کی وہ آرزو جو دل کی دل ہی میں رہی ہمارے اس مجموعہ سے ایک حد تک پوری ہو جائے ان مختلف نظموں کو بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا تاکہ کلیات کی ایک مکمل سی صورت بن جائے اور مختلف الگ الگ نظمیں باہم ایک سلسلہ میں منسلک ہو جائیں۔ اب صرف چار کتابوں یعنی مسدسِ مد و جزرِ اسلام۔ مجموعۂ نظمِ حالی۔ دیوانِ حالی اور ان جواہرات کو ترتیب وار رکھنے سے

مولانا کی تمام کلیاتِ نظمِ اُردو مرتب ہو سکتی ہے۔ اور اس لحاظ سے اگر ہم اس موجودہ
مجموعہ کا نام کلیاتِ نظمِ حالی حصّہ چہارم رکھیں تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

اس خیال سے کہ ان پانچوں نظموں کا یکجا پیش کرنا زیادہ مناسب ہوگا انکو جواہراتِ
حالی حصّہ دوم۔ کے نام سے بعد میں علیحدہ شائع کیا جائے گا۔

متذکرہ بالا نظموں کے علاوہ دو ایک نظمیں آپ اس مجموعہ میں ایسی بھی پائیں گے
جو "دیوان حالی" کے شائع ہونے سے پہلے کی ہیں۔ دراصل ان نظموں کے مسودے
دیوان کی ترتیب کے وقت مولانا کو دستیاب نہ ہو سکے اور اسی لیے یہ نظمیں دیوان میں
شائع ہونے سے رہ گیئں۔ ہم نے اس خیال سے کہ مولانا کا کل غیر مطبوعہ اور متفرق
کلام یکجا ہو جائے، ان دو ایک نظموں کو بھی اس مجموعہ میں درج کردیا ہے۔

بہت تلاش و محنت کے بعد میں نے اس مجموعہ میں قریباً ہر نظم کی مختصر کیفیت
اور اُس کی مجمل تاریخ بھی نظم کے شروع میں بطور تمہید کے بیان کی ہے جس سے ایک
نظر میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اس نظم کا موضوع کیا ہے؟ اور یہ کہاں؟ کب؟ اور
کس موقع پر پڑھی گئی یا تصنیف ہوئی؟ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اکثر مرتبہ
بعض نظمیں جن کی کیفیت مختصر طور پر شروع میں نہ بیان کر دی جائے۔ پڑھتے وقت
پھیکی اور بدمزہ معلوم ہوتی ہیں اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ دماغ نے اُن کو تصنیف کیا ہو۔
بعض نظموں کا تو مطلب کھل ہی نہیں سکتا جب تک کہ اُن کی مختصر کیفیت پہلے نہ بیان
کر دی جائے۔

ہر نظم کی تمہید کے علاوہ بعض بعض جگہ جو تشریح طلب اشعار آگئے ہیں اُن کی
تشریح و توضیح حاشیہ میں نیچے لکھ دی گئی ہے۔ سب تو نہیں لیکن اکثر نظموں کے عنوانات
بھی میں نے خود ہی تجویز کیے ہیں۔

تعداد کے لحاظ سے حصّہ دوم کے علاوہ چھوٹی بڑی کل ۹۴ نظمیں اس مجموعہ

میں شامل ہیں اور اگر حصہ دوم جواہرات حالی کی نظموں کو بھی شامل کر لیا جائے تو ۹۹۔

قلمی مسودات کے علاوہ جن جن اخبارات یا رسائل کے فائلوں سے ہیں نے اس مجموعہ میں امداد لی ہو وہ حسب ذیل ہیں :-

علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ علیگڈھ منتھلی۔ بچوں کا اخبار لاہور۔ رسالہ زمانہ کانپور۔ رسالہ خاتون علیگڈھ۔ روزنامہ ہمدرد دہلی۔ رسالہ معارف پانی پت۔ رسالہ مخزن لاہور۔ روزنامہ زمیندار لاہور۔ رسالہ العصر لکھنؤ۔ اخبار عصر جدید میرٹھ رسالہ دکن ریویو بمبئی و حیدرآباد۔ دو ایک کتابوں کے نام بھی اسی سلسلہ میں لیے جا سکتے ہیں۔ ایک تو "حدیث قدسی" ہی اور دوسری "اطوار بازیچہ"۔ ان کے علاوہ جو کچھ میں نے جمع کیا ہی وہ مولانا کے قلمی مسودات اور دستی تحریروں سے جمع کیا ہی۔ ہر نظم کے شروع میں خطوط وحدانی کے اندر اُس اخبار یا رسالہ کا پورا حوالہ درج کر دیا گیا ہی جہاں سے وہ نظم حاصل کی گئی ہی اور مولانا کی قلمی تحریرات سے جو نظمیں نقل کی گئی ہیں اُن پر "غیر مطبوعہ" لکھ دیا گیا ہی۔ بہت ممکن ہو کہ کوئی نظم کسی رسالہ یا اخبار وغیرہ میں چھپ چکی ہو اور ہم نے اُسے غیر مطبوعہ لکھا ہو۔ اگر ناظرین بعض جگہ ایسا پائیں تو سمجھ لیں کہ کم از کم ہم تک وہ نظم غیر مطبوعہ حالت میں پہنچی ہی یا کچھ سقموں کے باعث بعض مرتبہ مطبوعہ نظموں کو چھوڑ کر غیر مطبوعہ مسودہ سے نقل کرنی پڑی ہی۔

جیسا کہ ناظرین نے غور فرمایا ہوگا اس مجموعہ میں مولانا کا چار قسم کا کلام جمع کیا گیا ہی :-

پہلی قسم میں تو وہ کلام داخل ہی جو دُور آخر کی تصنیف ہی اور دیوان کے بعد کہا گیا ہی۔ اور جسے مختلف اخبارات و رسائل یا دو ایک کتب سے لیکر جمع کیا گیا ہے۔

دُوسری قسم اُس کلام کی ہی جو آج تک کہیں بھی نہیں چھپا اور قلمی مسودوں

سے نقل کیا گیا ہے۔

تیسری قسم کا کلام وہ بعض طویل نظمیں ہیں جو دیوان کے شائع ہونے سے پہلے مولانا نے تصنیف فرمائیں اور خود ہی ان کو کتابی شکل میں الگ الگ چھپوایا تھا اُن کو اس خیال سے کہ "کلیاتِ نظم حالی" مرتب کرنے والے کو آسانی ہو اور تمام نظمیں اس کو ایک جگہ مل جائیں شاملِ کتاب کیا گیا۔ اور "جواہراتِ حالی حصہ دوم" کے نام سے اُن کو بعد میں علٰحدہ طور پر شائع کیا جائے گا۔

چوتھی قسم میں وہ دو ایک نظمیں شامل ہیں جو اگرچہ دیوان سے پہلے کی ہیں مگر وقت پر مسودات نہ ملنے کے باعث مولانا ان کو دیوان میں درج نہ کر سکے۔

ان "جواہرات" کے متعلق مجھے جو کچھ بیان کرنا تھا کر چکا اب اس دعا پر مقدمہ کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ نظم کو بھی اُتنی ہی شہرت اور قبولیت عطا فرمائے جس قدر مُسدّس حالی کو نصیب ہو چکی ہے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

خاکسار

محمد اسمٰعیل از پانی پت

سنہ ۱۳۴۰ھ
۱۹۲۲ء

جواہراتِ حالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ
جواہراتِ حالیؔ

رقمزدہ جناب مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب (نبیرہ مولانا حالیؔ و
برادر اکبر آنریبل غلام الثقلین مرحوم) سابق انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ مترجم فلسفہ تعلیم
ہربرٹ سپنسر مصنف کتب متعددہ

۱۔ جناب مولانا حالیؔ قبلہ جو اُردو شاعری کے طرز جدید کے موجد اور بانی ہیں اُن کے منظوم کلام کا ایک معتدبہ حصّہ ایسا بھی ہے جو آج تک کسی کتاب یا رسالہ کی صورت میں مرتب اور جمع ہو کر شائع نہیں ہوا بلکہ صرف بعض اخبارات یا رسائل میں ایک دفعہ شائع ہونے کے بعد عملاً ضائع ہو گیا۔ اِس کے علاوہ کچھ کلام ایسا بھی ہے جو آج تک چھپا ہی نہیں جس پر اہلِ دل جتنا بھی افسوس کریں کم ہیں۔

۲۔ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب نے اِس افسوسناک کمی کو محسوس کیا اور وہ اس بات پر مستعد ہو گئے کہ کلام حالیؔ کے وہ جواہرات جو اخبارات یا رسائل کے پُرانے فائلوں میں چھپے ہوئے نہیں بلکہ چھپے ہوئے اور قعرِ گمنامی میں دبے ہوئے

ہیں اور جن سے کوئی مستفید نہیں ہوسکتا۔ نیز وہ جواہرات جو آج تک کبھی علمی بازار
میں نہیں لائے گئے اور جن پر قدردانوں کی نگاہیں کبھی نہیں پڑیں جہاں تک
ممکن ہو ان کو کھود کھود کر نکالا جائے اور قدردان ہاتھوں میں دیدیا جائے
چنانچہ اُنھوں نے سالہا سال کی تلاش و تجسس اور محنت و کاوش سے ان نایاب
جواہرات کا کھوج لگایا اور حتی الامکان بہترین صورت میں مرتب کر کے قدردان
نگاہوں کے سامنے پیش کردیا۔

۳۔ میں نے اس مجموعہ کا نام جواہراتِ حالی تجویز کیا ہی جو بالکل مناسب
حال ہی۔ جو حضرات ان جواہرات کے شیدا و گرویدہ اور دلدادہ ہیں میں اُن کو
خوشخبری دیتا ہوں کہ شیخ صاحب نے اُن کی خدمت میں ایک ایسا بے بہا تحفہ
پیش کیا ہی جس کے حاصل ہونے کی اُن کے لیے کوئی سبیل نہ تھی۔ اب اُن کا فرض
ہی کہ اس تحفہ کی قدر اور شیخ صاحب کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ آئندہ بھی ایسے
''جواہرات'' پیش کرسکیں۔

راقم الحروف

خاکسار غلام الحسنین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ اوّل

چھوٹے بچّوں کے لیے نظمیں

خدا کی شان

[غیر مطبوعہ]

اے زمیں آسماں کے مالک — ساری دنیا جہاں کے مالک

تیرے قبضے میں سب خدائی ہو — تیرے ہی واسطے بڑائی ہو

تو ہی ہے سب کا پالنے والا — کام سب کے نکالنے والا

بھوک میں تو ہمیں کھلاتا ہے — پیاس میں تو ہمیں پلاتا ہے

آنکھ دی تو نے دیکھنے کے لیے — کام کرنے کو ہاتھ پاؤں دیئے

بات کے سننے کو دیے دو کان — بات کہنے کو تو نے بخشی زبان

دن بنایا کمائی کرنے کو — رات دی تو نے نیند بھرنے کو

آئی موسم سے تنگ جب خلقت — تو نے موسم کی دی بدل صورت

گرمیاں ہو گئیں اجیرن جب — تو نے برسات بھیج دی یا رب

سب کے گرمی سے تھے خطا اوسان — مینہ برسنے سے آئی جان میں جان

گئے جب مینہ سے لوگ سب گھبرا — حکم سے تیرے چل پڑی پچھوا
یا تو تھیں ساری چیزیں سیل رہیں — یا رہا سیل کا نہ نام کہیں
جاڑا آ پہنچا اور گئی برسات — دم کے دم میں پلٹ گئے دن رات
پھر لگی پڑنے جب بہت سردی — مشکل آساں تو نے پھر کر دی
جاڑا آخر ہوا اور آئی بہار — جنگل اور ٹیلے ہو گئے گلزار
تو یونہیں رُت پہ رُت بدلتا رہا — یونہیں دنیا کا کام چلتا رہا
کیں سدا تو نے مشکلیں آساں — تیری مشکلکشائی کے قرباں

بڑوں کا حکم مانو

[منقول از رسالہ "بچوں کا اخبار" بابت مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲]

اے بھولے بھالو! یا نو! نادانو! ناتوانو — سر پر بڑوں کا سایہ۔ سایہ خدا کا جانو
حکم اُن کا ماننے میں۔ برکت ہے میری جانو — چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

ماں باپ اور اُستاد۔ سب ہیں خدا کی رحمت — ہے روک ٹوک اُنکی۔ حق میں تمہارے نعمت
کڑوی نصیحتوں میں اُنکی۔ بھرا ہے امرت — چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

ماں باپ کا عزیزو! مانا نہ جس نے کہنا — دشوار ہے جہاں میں۔ عزت سے اُسکا رہنا
ڈر ہے پڑے نہ صدمہ۔ ذلت کا اُس کو سہنا — چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

دُنیا میں کی جنہوں نے۔ ماں باپ کی اطاعت — دُنیا میں پائی عزت۔ عقبیٰ میں پائی راحت
ماں باپ کی اطاعت۔ ہے دو جہاں کی دولت — چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

سیکھو گے علم و حکمت۔ اُنکی ہدایتوں سے
پاؤ گے مال و دولت۔ اُن کی نصیحتوں سے
چھُولو گے اور پھلو گے۔ اُنکی سلامتوں سے
چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

تم کو نہیں خبر کچھ۔ اپنے بُرے بھلے کی
جتنی ہے عمر چھوٹی۔ اُتنی ہی عقل چھوٹی
ہے بہتری اُسی میں۔ جو ہے بڑوں کی مرضی
چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

وہ کام مت کرو تم۔ جس کام سے وہ روکیں
اُس بات سے بچو تم۔ جس بات پر وہ ٹوکیں
جھک جاؤ دوڑ کر تم۔ گر آگ میں وہ جھونکیں
چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

جو دیں تمہیں وہ کھا لو۔ نعمت سمجھ کے اُسکو
دیں زہر بھی تو پی لو۔ امرت سمجھ کے اُسکو
اور خاک دیں تو لے لو۔ دولت سمجھ کے اُسکو
چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

ہے کوئی دن میں پیارو! وہ وقت آنیوالا
دُنیا کی مشکلوں سے تم کو پڑیگا پالا
مانے گا جو بڑوں کی۔ جیتے گا وہی پالا
چاہو اگر بڑائی۔ کہنا بڑوں کا مانو

مُرغی اور اُس کے بچّے

[منقول از "اطوار بازیچہ" صفحہ ۳۳ مرتبہ ایچ۔ بی۔ ڈولٹن صاحب پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور]

شام ہے اور اندھیرے کا وقت
ہے پرندوں کے بسیرے کا وقت
اب ہے پانی کی نہ دانے کی تلاش
جس کو ہے اپنے ٹھکانے کی تلاش
رات پھر جبکہ گذر جائے گی
اور اُجالے کی گھڑی آئے گی
سُنیو تم اُٹھکے سویرے سے ذرا
یہ جو ہے گھر میں تمہارے مُرغا

پھڑ پھڑاتا ہے پر و بال کو کیا
جھاڑ دیتا ہے وہ سستی گویا
اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں
یہ چیختا زور سے "ککڑوں کوں"

دن نکلتے ہی ادھر مرغی بھی
فوج بچوں کی لیے نکلے گی
تاکہ وہ صبح کا کھائیں کھانا
رات بھر کے ہیں سب بے آب و دانہ
چونچ سے دیگی وہ منہ میں ان کے
جو پڑے پائے گی دانے دنکے
ٹکڑے روٹی کے ہوں یا ہو دانہ
ہے غذا اُن کی یہی روزانہ

مینہ برستا ہی تو بچے سارے
آ دبکتے ہیں پروں میں ماں کے
چین سے اُن میں چھپے رہتے ہیں
ماں کی چھاتی سے لگے رہتے ہیں
مرغی جس طرح کہ ان بچوں کی
کرتی ہے شام و سحر رکھوالی
بس اسی طرح سمجھ لو کہ خدا
ہے ہماری بھی حفاظت کرتا

بلّی اور چوہا

[منقول از اطوار بازیچہ صفحہ ۵۵]

سچ پوچھیے تو چوہوں کی بھی دم ہے ناک میں
دیکھا نہ بلّی آ ہی لگی اُن کی تاک میں

چوہے ہمیں ستاتے ہیں اور بلّیاں انہیں
دم ان سے اُن کا۔ اُنسے ہمارا ہے ناک میں
دیکھا تو جا بجا سے وہ کترا ہوا ہے آج
آیا تھا ایک لفافہ بڑا کل کی ڈاک میں
اُن کے سوا تھا چور کہو اُس کا اور کون
تھا شہد کچھ لگا ہوا بوتل کی کاک میں
گر بلّیاں نہ ہوں تو بلے کھود کھود کر
چوہے ملا کے چھوڑیں مکانوں کو خاک میں

بلی ادھر بیٹھی اور اُدھر آئے سب نکل ۔ وہ ان کی تاک میں ہے تو یہ اسکی تاک میں

شیر کا شکار

[منقول از "اطوار بازیچہ" صفحہ ۸۶]

سامنے دیکھو ہے وہ جنگل — وحشی جانوروں کا دنگل
پھرتے ہیں یہاں سب تُوڑتے کل کل — شیر بگیلا - چیتا - چیتل

بعضے بے آزار ہیں ان میں
اور بعضے خونخوار ہیں ان میں

دیکھا وہ اک کہری ناہر[۱] — نکلا اپنی بنی سے باہر
پکڑے گا ظالم داؤں لگا کر — کوئی نہ کوئی صید مقرر

بھوک میں ہے سب کچھ کھا لیتا
بھیڑوں پہ لیکن جان ہے دیتا

بیٹھ کے ہاتھی پر بے کھٹکے — ہم بھی اب اُس کے پیچھے ہی پیچھے
آہستہ آہستہ ہیں چلتے — ہم سے کہاں جائیگا بچ کے

یہ بھی شکاری ہم بھی شکاری
دید کے قابل ہے یہ سواری

لو دیکھو وہ دبکا دبکا — بھیڑوں کے ریوڑ میں جا پہنچا
شیر اور اُس پر بھوک میں جھلا — کر ہی گیا اک بھیڑ کو لقمہ

ٹوک کے اور للکار کے اُسکو
جائیں گے ہم بھی مار کے اسکو

[۱] کہری ناہر - نہایت زبردست شیر کو کہتے ہیں۔

دیکھو دیکھو نقل نہ چھپاؤ   چھتیا کر بندوق لگاؤ

خوب نشانہ بیٹھا ہے آؤ   گرتے ہی اس کو جا سنگواؤ

کھال اس کی ہم لے کے چلیں گے

دوستوں کو سوغات یہ دینگے

بیٹے

[منقول از "طوار بازیچہ" صفحہ ۸۹]

ماں سے بیٹوں کی گفتگو

(۱)

میں بڑا ہوں گا جب تو امّاں   اپنے مقدور بھر بنوں گا کسان

کام جو کرنا چاہو ہے آسان   ہیں یہ آخر کسان بھی انسان

نہیں محنت سے ہوں میں گھبراتا   خالی پھرنا نہیں مجھے بھاتا

ہل چلاؤں گا بیج بوؤں گا   شوق میں کھاؤں گا نہ سوؤنگا

وقت پر جبکہ غلہ کاٹوں گا   بھائی بہنوں کو حصہ بانٹوں گا

ناج سے گھر تمہارا بھر دوں گا   ان سے تم کو نچنت کر دوں گا

چھکڑے بھر بھر کے شہر جاؤں گا   ناج کے بدلے چاندی لاؤں گا

بھس کا انبار یہاں لگا دوں گا   گائے بیلوں کو میں چھکا دونگا

اتنی لایا کروں گا ترکاری   کہ نہ آئے گی پکنے کی باری

الغرض خوب سا کماؤں گا   جو کماؤں گا گھر میں لاؤں گا

کام کوئی نہ پھر رہے گا بند   میں بنا دوں گا تم کو دولتمند

(۲)

میں جواں ہوں گا جبھی اماّ جان ‌‌ ‌ اپنے جی میں یہ میں نے لی ہی ٹھان
تم نے مجھ کو اگر اجازت دی ‌ ‌ فوج میں جا کے ہوں گا میں بھرتی
ہی بہت ہی یہ میرے جی میں اُمنگ ‌ ‌ سیکھ لوں میں کہیں قواعدِ جنگ
میں نے سیکھی ہی مدرسے میں ڈرل ‌ ‌ ایسی ہو گی کہاں کی وہ مشکل؟
گو نہیں ہوں سپاہی زادہ میں ‌ ‌ ہوں سپاہی سے بڑ زیادہ میں
جنگ کی ہے ہم سے کیا ڈرنا ‌ ‌ آدمی کو ہے ایک دن مرنا
مشق بندوق کے لگانے کی ‌ ‌ رسم ہے آج کل زمانے کی
روزمرہ کا ہی یہ خاصہ کھیل ‌ ‌ ہوئی تو کیا کبھی کبھی کی جھیل
کام اپنا کیا کروں گا خوب ‌ ‌ فرض اپنا ادا کرونگا خوب
حکم کی وہ کروں گا میں تعمیل ‌ ‌ کہ نہ ہوگی ذرا بھی اسمیں ڈھیل
کیا عجب ہی رسالدار بنوں ‌ ‌ اور سواروں میں شہسوار بنوں
فوج میں ہو کچھ آبرو میری ‌ ‌ ہے یہ مدت سے آرزو میری
ملک میں جبکہ ہو گی میری دھاک ‌ ‌ اونچی ہو جائیگی تمہاری ناک
پھر تو تم کو بھی اے مری اماّں ‌ ‌ سب کہیں گے "رسالدار کی ماں"

(۳)

میری جان اور میری اماّں جی ‌ ‌ میں بڑا ہوں تو چاہتا ہی جی
گھر میں بیٹھا رہوں نہ یوں خالی ‌ ‌ آپ کے باغ کا بنوں مالی
خود ہی اس کام سے مجھے ہی لگاؤ ‌ ‌ کوئی مجھ کو بتاؤ یا نہ بتاؤ
کیاریاں ہر طرح کی کھودوں گا ‌ ‌ خوب اُن کی زمین گودوں گا
ایسا رکھوں گا رستہ صاف اُن کا ‌ ‌ کہیں ڈھونڈا نہ پاسکے گا تنکا

نت نئے پھول میں اُگاؤں گا
دیکھنا کیسے گل کھلاؤں گا

باغ میں اپنے نہر لوں گا میں
سرو ختی میں پانی دوں گا میں

جو لگاؤں گا تو وہ جائیگی لگ
اور پودے لگاؤں گا سو الگ

موتیا چنبیلی اور جوہی
روز کے روز ڈھیروں اُترے گی

ہے بہت شوق تم کو پھولوں سے
روز لاؤں گا جھولیاں بھرکے

کیوں نہ آئے گی آئے دن ڈالی
جب خدا اپنے گھر کا دے مالی

کس طرح ہو گی پھر نہ خوشحالی
آپ کا باغ آپ کا مالی

(۴)

میری تو یہ خوشی ہے اماں بی
کہ بڑا ہو کے میں بنوں دھوبی

صبح اُٹھتے ہی ہاتھ اور منہ دھو
فارغ اپنی ضرورتوں سے ہو

روز جایا کروں میں دریا پر
لادی کپڑوں کی بیل پہ لے کر

چھوڑ دوں بیل کو وہاں چرنے
اور کام اپنا پھر لگوں کرنے

اونچے کر کر کے دست و بازو میں
کپڑے دھویا کروں چھپو چھپو میں

لاؤں دھو دھو کے ایسے میں کپڑے
اُجلے براق صاف اور ستھرے

برف شرمائے دیکھ کر جن کو
آنکھ میں میل ہو اور اُن میں نہ ہو

محنت اس طرح کرکے میں دن بھر
گھاٹ سے آؤں شام کو گھر پر

ٹھیک کر کے کلپ سے گڈی سے
مالکوں کو دے آؤں جلدی سے

پھر یونہیں میلے کپڑے لا لا کر
از سر نو چڑھاؤں بھٹی پر

گھاٹ کی آج ۔ گھر کی کل باری
رہے یہ سلسلہ یونہی جاری

الغرض خوب کپڑے دہوں گا
نہ چراؤں گا اور نہ کھوؤں گا

نہ کبھی کام سے تھکوں گا میں
کام یہ خوب کر سکوں گا میں

کھاؤں گا اور کھلاؤں گا اماں ۔ تم کو میں حق حلال کا لقما

(۵)

جبکہ ہوں گا بڑا تو اے حضرت ۔ لوں گا کوئی پولس کی میں خدمت
کنسٹبل بنوں گا اوّل بار ۔ اور پھر رفتہ رفتہ تھانہ دار
پھر ہوا سامنے نصیب اگر ۔ کوتوالی کا آئے گا نمبر۲
گشت کرتا پھروں گا راتوں کو ۔ دیکھتا چوٹوں کی گھاتوں کو
چور ۔ اُچکے ۔ اُٹھائی گیرے جو ۔ پاؤں گا ۔ باندھ لاؤں گا سب کو
میرے دل پر رہے گا چور کا داغ ۔ جب تک اُس کا لگا نہ لوں گا سُراغ
بدمعاشوں کو تنگ کردوں گا ۔ جیل خانوں کو اُن سے بھردوں گا
جو کروں گا تو میں دل وجاں سے ۔ راستبازی سے اور ایماں سے
نہیں کرنے کا تیرا میرا خوف ۔ دل میں رکھوں گا بس خدا کا خوف
ہو اگر اس نوکری میں خوفِ خدا ۔ تو نہیں کوئی کام اِس سے بھلا

(۶)

میں بڑا ہوں گا جبکہ بی اماں ۔ ہو سکا تو بنوں گا چھٹی رساں
ڈاک خانہ سے ڈاک لاؤں گا ۔ پھرتی سے جاؤں گا اور آؤں گا
لے کے سب چھٹیوں کا میں طومار ۔ اور لگا کر اُنھیں محلہ وار
بانٹ آیا کروں گا نام بنام ۔ صبح کی صبح اور شام کی شام
کارڈ ہوں یا لفافے یا پیکٹ ۔ پارسل اور سارے پمفلٹ
لاؤں گا اپنی ذمہ داری سے ۔ اور دوں گا بھی ہوشیاری سے
حقِ خدمت ادا کروں گا میں ۔ غفلتوں سے بچا کروں گا میں
کام اپنا کروں گا چستی سے ۔ نہ کہ کاہلی اور سستی سے

۲ تھانہ داری میں پاؤں گا انعام ۔ کروں گا نوکری میں پاؤں گا میں نام

خط کسی کا نہ میں کروں گا تلف — نہ بنوں گا ملامتوں کا ہدف

کھاؤں گا اور کھلاؤں گا ایسی — تم کو اماں حلال کی روزی

جبکہ اماں جواں ہوں گا میں — اِک بڑھئی مستری بنوں گا میں

نہ بڑھئی وہ ہی جن کا نام بڑھئی — جو کہ پھرتے ہیں کہتے "کام بڑھئی"

بلکہ ایسا بنوں گا کاریگر — خود غرض مند آئیں جس کے گھر

آرزو یہ میری بر آئے کاش! — دیکھنا پھر میری تراش خراش

ہیں نہانی سے اور بسولے سے — ایسے کتروں گا پھول اور پتے

کہ کروں گا مصوّروں کو مات — رہوں مات اُن کو کر کے تو ہی بات

اِس ہُنر میں بنوں گا میں اُستاد — اور کروں گا نئے نئے ایجاد

لکڑی بِتا کروں گا میں نگر — آئے۔ لاگت زیادہ آئے اگر

چیز گھٹیا کبھی نہ بیچوں گا — نفع سے اپنے۔ ہاتھ کھینچوں گا

میرا سامان ہوگا سب اچھا — عمدہ سے عمدہ۔ تحفہ سے تحفہ

کارخانہ خود اک بنا لوں گا — بیسیوں کاریگر بٹھا لوں گا

ہوگی جب ہر طرف مری شہرت — دیکھنا گاہکوں کی پھر کثرت

مستری ایک ہوا گر ہوشیار — ہر جگہ اُس کے مشتری ہیں ہزار

گھڑیاں اور گھنٹے

[منقول از "اطوار بازیچہ" صفحہ ۹۶]

ہوں جس قدر آفاق میں گھڑیاں ہوں کہ گھنٹے — ہے سب کا عمل ایک۔ بڑے ہوں کہ ہوں چھوٹے

چھوٹے بھی کسی طرح بڑوں سے نہیں ہیٹے — در اصل یہ سب ایک ہی تھیلی کے ہیں بٹے

گو ایک سے اُن کے نہیں ہوتے قد و قامت
طے کرتے ہیں پر سب کے سب ایکساتھ مسافت

دو پہر ہو یا رات ہو یا صبح ہو یا شام — جب دیکھئے چلنے سے سدا اپنے اُنہیں کام
لیتے کسی ساعت کسی لحظہ نہیں آرام — ہو جاتے اِسی میں ہیں بسر عمر کے ایّام

نقل و حرکت سے اُنہیں فرصت نہیں دم بھر
گویا اُنہیں جانا ہے کہیں دُور مُہم پر

ہر چند کہ رفتار میں اپنی نہیں مختار — پر ٹھیرنے کو اپنے سمجھتے ہیں یہ بیکار
رہتے ہیں سفر ہی میں ہو دن یا کہ شبِ تار — ہٹتے نہیں پیچھے قدم اُن کے دمِ رفتار

جب دیکھئے پاتے ہیں۔ بہ سرگرم روانی
عمرِ گزراں کی کہو ایک اِن کو نشانی

دم رکھتے ہیں۔ گو جان نہیں رکھتے بدن میں — گویا ہیں زباں۔ گرچہ نہیں اُنکے دہن میں
عادت میں نرالے ہیں۔ انوکھے ہیں چلن میں — دکھایا یہ انہی کو۔ کہ مسافر ہیں وطن میں

ہے جیسے کہ گردش میں زمانہ سحر و شام
اُن کا وہ سفر ہے۔ نہیں جس کا کہیں انجام

خشکی ہو گذرگاہ میں اُن کی۔ کہ سمندر — کھاڑی ہو کہ ہو جھیل۔ جزیرہ ہو کہ بندر
مینار کے اوپر ہوں۔ کہ تہ خانہ کے اندر — رکھے نہیں پاس اپنے۔ سکندر کہ قلندر

اِن کو نہیں یہاں اونچ کا یا نیچ کا کچھ غم
اپنی اُسی ٹک ٹک سے سروکار ہے ہر دم

کھٹکا اُنہیں آندھی کا نہ بارش کا خطر کچھ — نقصان انہیں جاڑے سے نہ گرمی سے ضرر کچھ
طوفان کا کچھ خوف نہ بھونچال کا ڈر کچھ — ہوں لاکھ تغیر۔ نہیں پر اُن کو خبر کچھ

کچھ موسمِ گُل کی نہ خزاں کی اُنہیں پروا

ہیں دونوں برابر اُنہیں۔ پچھوا ہو کہ پروا

سمرن کے کھٹاکے سے کم اِن کا نہیں کھٹکا　　خاصا ہے یہ ایک یادِ خدا کے لیے لٹکا

کوڑا ہے یہ اُس کے لیئے جو راہ سے بھٹکا　　کانٹوں میں ہے یادِ امن دل جس نے کہ اٹکا

دیتے ہیں سُنو غور سے۔ ہر دم یہ دہائی

لو وقت چلا ہاتھ سے۔ کچھ کر لو کمائی

کیا اِن کی بساط۔ اور کہو کیا اُنکی ہے اوقات　　جانے دو۔ نہیں اِن میں اگر کوئی کرامات

انصاف کرو تو ہے یہی کتنی بڑی بات　　جس کام سے ہیں اُس میں لگے رہتے ہیں دن رات

ہیں چلنے میں تھکتے نہ ٹھٹکتے نہ سنبھلتے

جس راہ یہ دو ڈال اُسی راہ میں چلتے

دھان بوتا

[منقول از "اطوار بازیچہ" صفحہ ۹۰]

بوتے ہیں بتاؤ دھان کیونکر؟　　ہم سے سُنو آؤ دھیان دے کر

ہے یہ بھی سمجھ لو کام اُنھیں کا　　جو کرتے ہیں یہاں زمیں کی سیوا

پہلے وہ زمیں پہ ہل چلا کر　　اور مٹی تلے کی کر کے اُوپر

دیتے ہیں سہاگہ پھیر اُس پر　　کرتے ہیں زمیں کو یوں برابر

پھر دیتے ہیں چھوڑ اُس میں پانی　　جو دھان کی کاشت کے ہیں گیانی

پانی ہیں جب اُس پر پھیر دیتے　　ہیں بیج وہاں بکھیر دیتے

ہے سہل اگرچہ دھان بونا　　آسان نہیں پر اُس کا ہونا

یہ دھان ہوئے کہ پان لے یار　　دونوں کا ہے رکھ رکھاؤ دشوار

بس دھان کو نازک ایسا ہی جان　　ہو جیسے کہ دھان پان انسان

روٹی کیونکر میسّر ہوتی ہی؟

[منقول از "اطوار بازیچہ" صفحہ ۹۸]

یہ کھاتے ہو جو تم ہر روز روٹی
بتاؤ کیونکہ ہے تیار ہوتی؟

اگر آٹے کی پکتی ہے تو آٹا
بتاؤ ہے کہاں سے روز آتا؟

اگر آٹا یہ گیہوں کا ہی پستا
تو پھر یہ پیسنا ہے کام کس کا

گیہوں کس طرح ہوتے ہیں میسّر؟
اور آتے ہیں کہاں سے اور کیونکر؟

کسانوں کا ہی یہ احسان ہم پر
کہ ہوتے ہیں گیہوں ہم کو میسّر

یہی پہنچاتے ہیں بندوں کو روزی
خدا کے گھر کا سمجھو ان کو مودی

انہی کا کام ہی ہر فصل کی کاشت
انہیں کا کام ہی محنت کی برداشت

یہی بو کر ہم پہنچاتے ہیں ناج
ہی اس میں ساری خلقت انکی محتاج

کساں اکثر اِدھر کے اور اُدھر کے
گیہوں لے آتے ہیں چھکڑوں میں بھر کے

جو بازاروں میں بنیے ہیں دُکاندار
وہ اِن چھکڑوں کے ہوتے ہیں خریدار

گیہوں کا بھاؤ اک کرکے مقرر
دُکانوں میں وہ اپنی لیتے ہیں بھر

پٹا رہتا ہی سب غلہ سے بازار
جدھر دیکھو اُدھر غلہ کا انبار

گیہوں ہم لوگ لیتے ہیں اُنہیں سے
روپے کے دو رُپیے کے دس و بیچے

تمہارا باپ ہے جو کچھ کماتا
اناج اُس کا ہی وہ بھی مول لاتا

تمہاری ماں کو دیدیتا ہی لاکر
وہ اُن کو چُن پھٹک کر اور بناکر

خود اپنے ہاتھ سے ہی پیس لیتی
لگا رکھی ہی اُس نے گھر میں چکی

اسی چکی کا پیسا کھاتا وہ آٹا
چڑھے پر دان ہو تم جس کو کھا کھا

وہ بیچاری ہمیشہ صبح ہوتے
کہ جب تم بےخبر ہوتے ہو سوتے

جھٹ آٹا پیسنے جا بیٹھتی ہے — عجب بندی خدا کی محنتی ہے
وہ ہر اِس ہاتھ سے چکی چلاتی — اور اُس سے گلہ پیہم ڈالے جاتی
جب اُس کا ہاتھ تھک جاتا ہے دایاں — بدل لیتی ہے تب وہ ہاتھ بایاں
کبھی گھبرا کے دل ہی دل میں اپنے — خدا کا نام وہ لگتی ہے جپنے
کبھی دل کو۔ خدا سے لو لگا کر — تسلی دیتی ہے وہ گیت گا کر
جب آٹا میں چکی سے ہے تو گویا — سمجھتی ہے بڑا گڑھ میں نے جیتا
پھر آٹا چھان کر بھوسی جدا کر — اُسے بھرتی ہے مٹکے میں اُٹھا کر
پکانے کا جو نہیں وقت اُسکے آیا — سنبھالا اُس نے جھٹ آٹے کا کونڈا
لگی پھر گوندھنے آٹا چھپا چھپ — اور اُس میں مارنے لگی تھپا تھپ
وہ یوں آٹے کو دھکے دے پٹکتی — کہ گویا لڑ رہی ہے اُس سے کشتی
جب آٹا گوندھ چکتی ہے تو لے کر — توا۔ دیتی ہے۔ رکھ چولھے کے اوپر
بناتی ہے گندھے آٹے کے پیڑے — کہ ہو جس طرح سے جلدی نبیڑے
وہ جھپ جھپ پھر پکاتی ہے روٹی — چپاتی خواہ ہلکی۔ خواہ موٹی
ذرا دیکھو تو کوئی اُس کی پھرتی — توے پر دم میں ڈالی اور اُلٹی
پکا کر۔ ریندہ کر۔ کھا کر۔ کھلا کر — ہوئے جھوٹے جو باسن دھو دُھلا کر
لیا کچھ اور گھر کا کام دھندا — یہی ہے اُس کا صبح و شام دھندا
کبھی ایندھن نہیں ہوتا میسر — تو لے کر وہ طباق آٹے کا سر پر
پہنچتی ہے بچاری سیدھی تنور — نہیں جو اُس کے گھر سے کچھ بہت دور
وہ بھٹیارا جو ہے تنور والا — سب آٹا اُس سے پکواتے ہیں لالا
لگا رہتا ہے صبح و شام تانتا — اک آتا ہے دکان پر ایک جاتا
وہ باندھے بیٹھا رہتا ہے لنگوٹی — لگاتا ہے بہت پھرتی سے روٹی

گھڑی ۔ ہاتھوں پہ پھیلائی ۔ بڑھائی
رفیدے پر دھری اور چیپ لگائی

دکھاتا ہے وہ یوں ہاتھوں کے انداز
کہ جیسے کوئی پھرتیلا پٹے باز

وہ ہے یوں پیٹتا پیڑوں کو پیہم
کہ گویا ٹھوکتا ہے پہلوان خم

اُترتی روٹیاں ہیں باری باری
وہ گرما گرم سوندھی اور کراری

اُتر سب روٹیاں جب آئیں پک کر
تو دسترخوان سے لاتی ہے ڈھک کر

اِدھر تم ساری بہنیں اور بھائی
ہو اس دھن میں کہ آئی ماں آئی

تکا کرتے ہو بیٹھے راہ ماں کی
سمجھتے کچھ نہیں پرواہ ماں کی

وہ کرتی رہتی ہے تم سب کی خدمت
نہیں ملتی اُسے مرنے کی فرصت

یہی رہتا ہے دن رات اُس کو رونا
پکانا ۔ رندھنا ۔ سینا ۔ پرونا

رُندھی رہتی ہے تم بچوں میں دن رات
کرے بھی تو کسی سے کیا کرے بات

نہ ہوش اچھے کا اُس کو اور بُرے کا
نہ پروا پہننے اور اوڑھنے کا

کہیں پڑھ رہنا ۔ فارغ جبکہ ہونا
کوئی سونے میں داخل ہے یہ سونا؟

ڈھلا دن اور چڑھا سر پکانے کا فکر
تمہارے باپ کے گھر آنے کا فکر

سویرے کا وہ نکلا نکلا گھر سے
پھرے گا شام کو جب کام پر سے

تو اُس کو دیکھتے ہی آپ سے آپ
بڑے اور چھوٹے ہو جائینگے چپ چاپ

قدم رکھنے کا جو نہیں گھر کے اندر
سنبھل بیٹھو گے تم سب اُس سے ڈر کر

اور اماں چھوڑ کر پھیسر سوئی تاگا
لگے گی لینے اُس کا آگا تاگا

وہ سستانے نہیں پاتا کہ لا کے
بچھا دیتی ہے دسترخوان آ کے

گھڑی تم کو گھڑی جھلتی ہے پنکھا
گھڑی پانی پلاتی ہے وہ لا لا

دیے جاتی ہے تم سب کو وہ سالن
رہے اپنے لیے گو کچھ نہ لاون

جو بچ رہتی ہے پیچھے ہڈی بوٹی
لگا کر اُس سے کھا لیتی ہے روٹی

اُسے تم کو کھلانے سے ہی مطلب — نہیں کچھ اپنے کھانے سے ہی مطلب
اگر کھانے میں آئی تم کو لذت — تو سمجھو لگ گئی نیک اُسکی محنت
نہ پکا گر مزے کا تو نگوڑی — ہوئی جاتی ہے دل میں تھوڑی تھوڑی
بھلا ماں کے سوا کس سے بن آئے؟ — نہ کھائے آپ اور تم کو کھلائے
تمھیں کیا فکر ان جھگڑوں کا بھائی — کہ ملتی ہے تمھیں پکی پکائی
پکانے سے نہ پکوانے سے مطلب — اگر ہے تم کو تو کھانے سے مطلب
ذراسی دیر کھلنے میں اگر ہو — تو تم رو رو کے گھر سر پر اُٹھا لو
نہ الفت باپ کی تم جانتے ہو! — نہ ماں کی مامتا پہچانتے ہو؟
نہ اُن کی محنتوں کی ہے خبر کچھ؟ — نہ اُن کی جانفشانی پر نظر کچھ؟
نہیں کر سکتے حق اُن کا ادا تم — کرو اُن پر اگر جاں بھی فدا تم
دل و جاں سے کرو تم اُنکی عظمت — بجالاؤ ادب سے اُنکی خدمت
سمجھ لو اس سے ماں کی قدر و عظمت — کہ اُس کے پاؤں کے نیچے ہے جنت
تمھیں محنت سے پالا اور پوسا — ستایا تم نے پر اُس نے نہ کوسا
سبق ماں باپ سے یہ سیکھ رکھو — بڑے ہو کر یہی کرنا ہے تم کو
مزا جب ہے کہ ہاتھ اُن کا بٹاؤ — بڑے ہو کر تم اُن کے کام آؤ
کبھی ہونا نہ تم سُست اور کاہل — لگانا اپنے اپنے کام میں دل
نہ ڈھیلی چھوڑنا تم اپنی ڈوری — سکھانا جی چرانے کو بھی چوری

موچی

[منقول از "اطوار بازیچہ" صفحہ ۱۰۳]

چمڑا مول منگاتا ہوں — دھو کے اُسے سکھاتا ہوں

مل کر نرم بناتا ہوں　　یوں چمڑے کو کماتا ہوں

میں موچی کہلاتا ہوں

پھر تلے وسے کاٹ کٹا　　کرتا ہوں خوب اُن کو صفا

پھر لے پتا اور تلا　　سیتا ہوں دونوں کو ملا

یوں کام اپنا بناتا ہوں

پھر جوتی قالب پہ چڑھا　　ٹھونک ٹھکا اور کوٹ کٹا

رانپی سے بُرشا کے تلا　　سیتا ہوں دونوں کو ملا

پھر کام اور لگاتا ہوں

چاہیئے گر اندھا گھوڑا　　میری دُکاں سے لو جوڑا

پھر در کار نہیں کوڑا　　جتنا چلاؤ سے ہے تھوڑا

مضبوط ایسا بناتا ہوں

اوروں کیسی یہاں نہیں لوٹ　　جانیو میری بات نہ جھوٹ

سال کے اندر میرا بوٹ　　میں ضامن جو جائے ٹوٹ

اس کی شرط لگاتا ہوں

بابو ہو یا ہو لالا　　گورا ہو یا ہو کالا

بوڑھا ہو یا ہو بالا　　ادنی ہو یا ہو اعلیٰ

سب کا حکم بجاتا ہوں

چھٹی رسال

(منقول از ’’اطوار بازیچہ‘‘ صفحہ ۱۴۲)

لو وہ دیکھو آرہا ہے ڈاکیا　　منتظر تھا جس کا ہر چھوٹا بڑا

ہے اسی جانب کو سیدھا اُسکا رُخ — خط تمھارا ہوگا یا شاید مرا
پوچھتا ہے اُس سے ہر اک اپنا خط — نام بتاتا ہے اور اپنا پتا
دیکھتا ہے وہ لفافے غور سے — دیتا ہے پڑھ پڑھ کے جو لکھا پڑھا
یہ تو بتلاؤ خطوں کا اتنا ڈھیر — اس کو کیونکر اور کہاں سے مل گیا؟
دیکھتے ہو روز کیفیت یہ تم — پر نہیں رکھتے خبر اس کی ذرا
رات کو سوتے تھے جب ہم ایک شخص — جا رہا تھا اس طرف سے دوڑتا
تھے کمر سے اُس کی کچھ گھنگرو بندھے — تا کہ سب جانیں کہ ہے یہ ڈاکیا
ہر قدم پر دوڑتا تھا جبکہ وہ — گھنگروؤں کی اُس سے آتی تھی صدا
کہتے ہیں ہرکارہ جس کو تھا وہی — تم نے بھی یہ نام شاید ہو سُنا
وہ چلا تھا لیکے ڈاک اُس شہر سے — آ کے دم یاں ڈاک خانے میں لیا
تھیلیاں تھیں ایک تھیلے میں کئی — جن سے تھا وہ ڈاک کا تھیلا بھرا
تھیلیوں میں تھے بھرے پیکٹ تمام — تھا کوئی دھولا تو کوئی زرد تھا
تھا غرض جو بوجھ اُسکے پاس سب — ڈاک منشی کے حوالے کر دیا
شام تک اب اُسکو ہوش سے تو آئے — وہ تو ایسا ہو کے بیدم جا پڑا
اور ادھر وہ تھیلیاں جھٹ پٹ سنبھال — ڈاک منشی نے شتاب کیا کیا
کھول کر سب کر لیے پیکٹ الگ — اور خط بھی رکھ لیے کر کے جُدا
بانٹنے کو ڈاک پھر دیدی تمام — ڈاک کے چٹھی رسانوں کو بُلا
ڈاک میں میرا بھی اک آیا ہے خط — او ہو! یہ تو خط ہے میرے دوست کا
پڑھ کے خط تو ہوگی جو ہوگی خوشی — پہلے آنکھوں سے تو اُسکو لوں لگا
دوست کے پاس آئے نامہ دوست کا — اِس خوشی سے ہے زیادہ اور کیا
اب پڑھوں گا جا کے اطمینان سے — گھر میں اپنے بیٹھکر سب سے جُدا

سپاہی

(منقول از ''اطوار بازیچہ'' صفحہ ۱۱۱)

سُنا بھی یہ آواز کیا آرہی ہے؟ بِگُل کی یہ پیاری صدا آرہی ہے
چلو اُٹھو بندوق کندھے پہ رکھو کہ وقت آگیا دُور جانا ہے تم کو
نہ ہلے ہاتھ ہرگز تمھارا نہ شانہ جہاں چاہو وہاں جاکے بیٹھے نشانہ
نظر چاہیئے تیز ایسی تمھاری ہو گویا کہ اُس وقت تم اک شکاری
قدم ہو چلا ایسا جیسے ہرن کا سمجھ لو کہ ہے بس یہی وقت سن کا
کبھی فتح مندی کا دعویٰ نہ کیجئے کہ چلتے نہیں اس میں دعوے کسی کے
جو ذکر ایسی باتوں کا کرتے ہیں اکثر ظفر مند اُنہیں ہوتے دیکھا ہے کمتر
بڑی بات یہ ہے تم اسکو سمجھ لو کہ فرض اپنا جو ہے بجا لاؤ اُس کو

ایک چھوٹی بچّی کے خصائل

[منقول از رسالہ ''زمانہ'' بابت جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۶]

ممتاز فاطمہ عرف ''سیدہ خاتون'' جو آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی بچّی ہے اُس سے مولانا کو بہت محبت تھی مولانا نے اس پر ۱۹۰۹ء میں جبکہ ''سیدہ'' کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی یہ نظم لکھی تھی (اسمٰعیل)

سیدہ کیسی پیاری بچّی ہے صورت اچھی - سمجھ بھی اچھی ہے
ذرا دیکھو تو اُس کی صورت کو سچی چینی کی جیسی مورت ہو
ہے ابھی دو برس کی نیم سے جان پر سب اچھے بُرے کی ہے پہچان
ماں نے جو کچھ اُسے سکھایا ہے جو ادب قاعدہ بتایا ہے

وہ سبق سارے اُسکو ہیں ازبر — نقش ایک ایک بات ہی دل پر
ہی ادب سے بڑوں کا لیتی نام — سب کو کرتی ہی ہاتھ اُٹھا کے سلام
پھر ادب سے وہیں سلام کے ساتھ — پوچھتی ہی مزاج، جوڑ کے ہاتھ
جھوٹ مُوٹ اُسکو گر ڈورلاتے ہیں — بات ڈر کی کوئی سُناتے ہیں
سچے پن سے یقیں نہیں کرتی — دیر تک سب سے نہیں نہیں کرتی
وہ کسی بات پر مچلتی نہیں — اپنی عادت کبھی بدلتی نہیں
ایک بیماری سے تو ہی لاچار — ورنہ روتی نہیں کبھی زنہار
ایسی کم عمر - بے سمجھ ہو کر — دُودھ بھی مانگتی نہیں رُو کر
بے پیئے دودھ جب نہیں مرتی — ہی وہ ماں کی خوشامدیں کرتی
کبھی کہتی ہے پیار سے "ماں" — اور کبھی ڈالتی ہے گل بیّاں
کوٹ کوٹ اس میں ہی بھری غیرت — اُس کو کوئی جھڑک دے کیا طاقت
ماں نے جھوٹوں کبھی جو گھور دیا — اُس نے سچ مچ وہیں بسور دیا
ماں کی خفگی سے ہی بہت ڈرتی — اُس کے تیور ہی دیکھتی رہتی
جب ذرا دیکھتی ہی چپ ماں کو — بار بار اُس کو کہتی ہے "بولو"
ماں یہ سُنکر اگر ذرا ہنس دی — پھر تو لو دیکھئے اُس کی آکے خوشی
ہنستی ہے اور کھلکھلاتی ہے — سچ پھولی نہیں سماتی ہے
چاہنے والے اُسکے ہیں جو جو — خوب پہچانتی ہے ایک اک کو
پھوپھیوں سے تو ہی لگاؤ بہت — گھر کا خالاؤں سے ہی چاؤ بہت
ہی چچاؤں کے نام کی عاشق — اُن کے کلمے کلام کی عاشق
غور سے اُن کا پڑھنا سنتی ہے — اور سُن سُن کے سر کو دھنتی ہی
ختم ہو چکتے ہیں جب اُن کے بول — کہتی ہی بار بار "ابّا اَ دَ ل"

آرزو تو بہت ہے بولنے کی پر نہیں اُٹھتی ہے زبان ابھی
یوں تو تھی جب ہی پیاری اُسکی زباں جبکہ کرنے لگی تھی وہ غوں غاں
پھر تو آتا ہے اُس پہ اور بھی پیار ہوتی جاتی ہے جس قدر ہوشیار
نہیں منہ سے نکلتے پورے بول بولتی ہے سدا ادھورے بول
لوٹ جاتے ہیں ہنستے ہنستے سب زرگری اپنی بولتی ہے جب
سُننے آتے ہیں گھر میں جب مہماں دیکھ دیکھ اُن کو ہوتی ہے خنداں
پاس کے بیٹھا اِدھر اُدھر سب کو دیکھتی ہے ٹکر ٹکر سب کو
اوپری شکل سے ہے گھبراتی ہے مگر جلد سب سے ہل جاتی
ہیں جو ماں باپ بھائی اور بہن یوں تو ہے سب کی اُسکے دل میں لگن
پر ذرا بھائی سے ہے لاگ اِس کو کیونکہ اوپر تلے کے ہیں دونوں
پس جہاں بھائی ماں کے پاس آیا اور وہیں اُس نے ہاتھ پھیلایا
جالپٹتی ہے دوڑ کے ماں سے بھائی سے کہتی ہے "ہٹو یاں سے"
عمر اُس کی خدا دراز کرے علم سے اُس کو سرفراز کرے

چڑھیں ماں باپ کی سلامتی میں
سارے پروان۔ بھائی اور بہنیں

شکریہ حضور لفٹننٹ گورنر بہادر

از طرف طلبائے اینگلو عربک سکول دہلی

(غیر مطبوعہ)

دسمبر ۱۸۸۹ء میں سر جیمس لائل لفٹننٹ گورنر پنجاب کے اینگلو عربک سکول دہلی میں تشریف لانے کے موقع پر ہیڈ ماسٹر صاحب سکول نے مولانا سے فرمائش کی تھی کہ اس موقع کے لیے ایک ایسی سلیس اور آسان نظم لکھ دیجئے جس کو صغیر سن طالب علم ہز ایکسیلنسی کے سامنے بطور کورس کے گا کر سنا سکیں۔ اس پر مولانا نے یہ نظم پانی پت سے لکھ بھیجی تھی

نہیں قلم اور زباں میں طاقت ۔۔۔ کہ ہو بیاں آج کی مسرت
کہاں یہ اس مدرسہ کی قسمت ۔۔۔ کہ لائیں تشریف خود بدولت

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

کریں ادا شکر اُس کا ہم کیا ۔۔۔ کہ قیمتی وقت کھو کے اپنا
ہماری حالت کو تم نے دیکھا ۔۔۔ تمھیں کو فرماندہی ہے زیبا

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

کرم ہو کیا اور اس سے بڑھکر ۔۔۔ کہ جو ہو پنجاب کا گورنر
وہ ایک ناچیز مدرسہ پر ۔۔۔ ہو لطف سے آ کے سایہ گستر

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

تھے آسرے جتنے اور سہارے ۔۔۔ بھلا دیئے ہم نے دل سے سارے

بس اب سہارے ہو تم ہمارے　　پڑے ہیں سایہ میں ہم تمہارے

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

ہوئی ہے تعلیم جب سے جاری　　پھری رہی اس سے مت ہماری
اب آئی ہے یہاں ہماری باری　　نظر بس اب چاہئیے تمہاری

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

ہی جب سے لائل نے سایہ ڈالا　　ہوا ہے پنجاب میں اُجالا
وہ عدل والا۔ وہ رحم والا　　رہے سدا اُس کا بول بالا

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

ہمیشہ جب تک کہ علم و حکمت　　جہاں میں کرتے رہیں حکومت
حضور قیصر کا ظلِ رافت　　ہمارے سر پر رہے سلامت

کریں غریبوں پہ جو عنایت
ہمیشہ اُن پر خدا کی رحمت

رُباعیات

مطبوعہ دیوان میں مولانا کی تقریباً سو کے قریب رباعیات ہیں انہیں کو علیحدہ کتابی شکل میں "رباعیات حالی" کے نام سے مختلف مطابع اور مختلف اشخاص نے بار بار شائع کیا۔ دیوان کے چھپنے کے بعد مولانا نے اور بہت سی رُباعیاں لکھی تھیں جو اب تک کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہوئیں مولانا کی زندگی میں دیوان کا دوسرا اڈیشن چھپا جس میں بعد کی نظمیں اور رباعیات درج کی جاتیں۔ ہم نے ذیل میں دیوان کے بعد کی تمام رُباعیات کو ایک جا جمع کر دیا ہے۔ جو رباعیات دیوان میں درج ہو چکی تھیں اور "رباعیات حالی" کے نام سے ہر جگہ ملتی ہیں اُنکے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ رباعیات تعداد میں ۴۱ ہیں اور بہت محنت و تلاش کے بعد جمع کی گئی ہیں

(اسماعیل)

۱۔ توحید[۵۱]

ہستی تری گو نہیں ہے محتاج دلیل
صبرِ دلِ مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
یہ طبع خسیس مطمئن ہو کیونکر
بے دیکھے ہوا نہ مطمئن جبکہ خلیل[۵۲]

---

[۵۱] رباعیات نمبر ۱ تا ۲۵ "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مطبوعہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۱ء سے اور نمبر ۲۶ تا ۳۵ اسی اخبار کی ۱۴ اگست ۱۹۰۱ء کی اشاعت سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

[۵۲] چوتھے مصرع میں ابراہیم علیہ السلام کے اُس جواب کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے جناب الٰہی میں عرض کیا تھا کہ "بلیٰ و لکن لیطمئن قلبی"

۲۔ توحید

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دور ادراک سے اوجھل۔ تو نظر سے مستور
یہ حسرتِ دید دل میں قائم رکھیو بس یاس کی ظلمت میں یہی ہے نور

۳۔ ایضاً

سقراط منادی میں تری کام آیا سر تیرے لیے حسینؓ نے کٹوایا
مر کر کوئی پاسکے۔ یا کہ سر کٹوا کر پایا ہے تجھے جس نے اسے سب کچھ پایا

۴۔ ایضاً

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ برسایا پیراہنِ سبز خاک کو پہنایا
دانے کو کیا نخلِ تناور تو نے پانی جڑ سے پھننگ تک دوڑایا

۵۔ خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہار سب سے۔ بازی نے تری طبقے الٹے ہیں۔ ترکتازی نے تری
ہے کالوری اور کربلا اس پہ گواہ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

۶۔ طالبِ صادق آخر کامیاب ہوتا ہے

طالب کا رہے گا پڑ کے پاسا آخر دے گا اسے صدق دل دلاسا آخر
جھوٹی نہیں گر پیاس۔ تو آگے پیچھے دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

۷۔ تشنگیِ طلب

کب تک کوئی سوزشِ نہانی کو چھپائے   کب تک اپنے کو تشنہ سیراب کہلائے
کچھ اثر مریز سے تری اے ساقی!   پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جائے

۸۔ پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے   لکھنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے
تو نے ہر دردِ سر سے دی آ کے نجات   پیری! رحمت ہے! تجھ کو صد رحمت ہے

۹۔ ایضاً

پیری نہیں۔ منزلِ فنا ہے گویا   اب کوچ کا وقت آ لگا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کافور   اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

۱۰۔ انسان کی عظمت بقدر قلتِ حاجت ہے

دولت کی ہوس۔ اصل گدائی ہے یہ   ساماں کی حرص۔ بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شہنشاہی   اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

۱۱۔ افراطِ دولت کی مذمت

محنت سے وصول ایک پیسا ہو گر   کر اشرفیوں کی تھیلی پر نہ نظر
یہ تھیلی میں بھرا ہوا سانپ ہی سانپ!   ہاں! سوچ سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اس پر!

۱۲ - دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی ہے برقِ خرمن بھی ہے — تلوار کی دھار بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں شر تو ہے خیر بہت — گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

۱۳ - حالتِ موجودہ پر قانع نہ ہونا

حاصل ہے اگر خوشی تو ہے غم کی تلاش — گر شہد میسر ہے تو ہے سم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالتِ نقد پہ یہاں — جنت میں بھی شاید ہو جہنم کی تلاش

۱۴ - خوشی کی امید نہ رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے اک کے دل میں ارماں — اور دوسرے پہ ہے بارِ اولاد گراں
گر چاہیے عالمِ تعلق میں خوشی — رکھے نہ یہاں خوشی کی امید انساں

۱۵ - سب صحبتیں برہم ہونیوالی ہیں

نقشے ہیں خوشی کے سب بگڑنیوالے — پودے ہیں اسکے جڑ سے اکھڑنیوالے
مل بیٹھا ہے یہ ناؤ ندی سنجوگ — ہیں ایک گھڑی دم میں بچھڑنیوالے[۵۳]

۱۶ - جیسی رعیت ہوگی ویسی ہی اس پر حکومت کی جائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال — جب تک کہ رعیت کے بھلے ہوں نہ خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں — عمال ہیں بس یہی تمہارے اعمال[۵۴]

[۵۳] اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جس میں سب اصحاب تھوڑی دیر کیلئے ایک دوسرے سے بچھڑنیوالے تھے
[۵۴] اس رباعی میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے یعنی عمالکم اعمالکم۔

۱۷۔ دُنیا کی موجودہ حالت

ہیں برف سے بیچ سے مُلک پامال کہیں ۔۔۔ طاعون ہے نازل کہیں بھونچال کہیں
ابتر ہے کچھ اِن دنوں نظامِ عالم ۔۔۔ عُمّال نہ ہوں خلق کے اعمال کہیں

۱۸۔ افسونِ محبّت

ہے جن کو کہ صیدِ دلِ انساں کا خیال ۔۔۔ لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال
اُستاد کو یاد ہو اگر حُب کا عمل ۔۔۔ تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں مکتب اطفال

۱۹۔ زخارفِ دنیوی کی بے ثباتی

گلشن میں نہیں ہے تری اے گُل! جوڑی ۔۔۔ تو نے نہیں آن حُسن کوئی چھوڑی
تھا جی میں کہ تجھ سے باندھیے عہدِ وصال ۔۔۔ پر کیجیے کیا! عمر ہے تری تھوڑی

۲۰۔ غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ ۔۔۔ اپنوں کو سلوکِ نیک سے بہلاؤ
پر مدِّ نظر ہو گر حیاتِ ابدی ۔۔۔ بیگانوں کو آشنا بناؤ۔ جاؤ!

۲۱۔ کام کا وقت

یارو! نہیں وقت عیش و آرام کا یہ ۔۔۔ موقع ہے اخیر فکرِ انجام کا یہ
بس حُبِّ وطن کا جیتے جی نام بہت ۔۔۔ اب کام کرو کہ وقت ہے کام کا یہ

۲۲۔ ذِلت کی زندگی

نکبت میں ہی رنج و غم خوشی سے اولیٰ — رونا یاروں کا ہی ہنسی سے اولیٰ
ہیں دیس میں بے وقار۔ پردیس خوار — مرنا ہی بس ایسی زندگی سے اولیٰ

۲۳۔ قدر نعمت بعد زوال

دو چار اگر ہیں کام کرنے والے — ہیں اُن کو ہزاروں نام دھرنے والے
تب قوم کی شاید کہ کھلیں گی آنکھیں — مر جائیں گے جب قوم پہ مرنے والے

۲۴۔ قومی خدمت کا صلہ

کہدو اجنہیں اصلاح کا ہی قوم کی چاؤ — طعنے جھیلو۔ بُرا سنو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہی سر دست — گر اس پہ قناعت کا ارادہ ہی تو آؤ

۲۵۔ مصلحت کی بات ماننی لازم ہی

گر پیر مغاں کہے "مریز و کجدار" — ہی مصلحت اس میں کچھ نہ کچھ اے میخوار!
ہوتا نہ مساکیں کا گر خیر اندیش[۱۵] — خضر اُن کا نہ توڑتا سفینہ زنہار

۲۶۔ انصاف کی پکار

پاؤگے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف — حق تلفیوں کے دلمیں نہ ہوں جسکے شگاف
گر غور سے سُنیے۔ غُل ہی ہی چار طرف — انصاف! انصاف! آہ انصاف! انصاف

[۱۵] حضرت خضر کے قصہ کی طرف اشارہ ہی دیکھو آیات قرآنی و اما السفینۃ فکانت لمساکین

۲۷ - اپنے دست و بازو سے کام کرنے کی ترغیب

تُم دریا سے پہنچے ہو تیر کے پار کب تک تیرو گے ہو کے تو بنوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو ساماں اوروں کا سہارا تکنے والو ہشیار!

۲۸ - پیری میں نفس کا اغوا کرنا

پیری میں نہ عقل چین سے لینے دیتی کرتا رہتا نہ دل کو گر نفس قوی
یاد آتی ہے جب موت تو سمجھاتا ہے "بابا کے آمدی و کے پیر شدی"[۵]

۲۹ - قوموں کی زندگی اور موت میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں چونک اُٹھتے ہیں ایک "ہاں" پہ وہاں جوان
کرتی نہیں "وحی" مردہ قومیں وہ کام جو کام اک "کارتوس" کرتا ہے وہاں

۳۰ - نفس کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں

یا نفس کی خواہشوں کو روک آزردا یا فاقہ و فقر کے لیے ہو تیار
لاگے ہوئے ہیں چار طرف گھات میں چور گھر سے ہشیار! مال و زر سے ہشیار!

۳۱ - یہاں صرف دو چیزیں اپنی ہیں

گھر بار اپنا ہے اور نہ دولت اپنی کنبا اپنا نہ ہے قرابت اپنی
اپنی نہیں کوئی چیز یہاں اس کے سوا اک موت اپنی ہے ایک تربت اپنی

[۵] جس موقع پر ہم کہتے ہیں تمھاری عمر کیا ہے۔ اسی طرح ایرانی اس موقع پر یوں بولتے ہیں "کہ آمدی و کے پیر شدی"
اس رباعی میں بطور کنایہ ظاہر کیا گیا ہے کہ نفس عقل کی بات نہیں چلنے دیتا اور ہمیشہ غفلت چاہتا ہے ۱۲

۳۲ - عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے

ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بد دور
عشاق کی بےخودی حسینوں کا غرور

یہ وہ مے تند ہے نشے میں جس کے
عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

۳۳ - تشنگیٔ طلب

ساقی یہ لے سب کے کام آنیوالے
خم اپنے پرائے پر لنڈھانیوالے

چھینٹا اک ادھر بھی بادۂ گلگوں کا
او تشنہ لبوں کی دون بجھانیوالے

۳۴ - علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہوتے جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بشر
کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر

ہوتی جاتی ہے دھندلی اتنی ہی فضا
جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

۳۵ - دنیا سراسر شر ہے

دنیا ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر
رشتہ ہے بدی سے اس کا نیکی سے ہے بیر

اور سب سے بڑا یہ عیب ہے اسمیں کہ آہ
سنتی نہیں یہاں کسی طرح اسکے بغیر

۳۶ - میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

اردو اگو راج چارسو تیرا ہے
شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے

پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی
تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

۳۷ - ایضاً

[غیر مطبوعہ]

دلّی کی زباں کا سہارا تھا انہیں — اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انہیں
دلّی جو بڑھی تو لکھنؤ اسکی بہار — دونوں کو ہمیشہ یہی کہ ہمارا تھا انہیں

۳۸ - ہنگامۂ کان پور

منقول از روزنامہ "ہمدرد" جلد ۱ نمبر ۱۰۶ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء

یارانِ وطن نے قوم کا ساتھ دیا — دی قوم نے داد قوم پہ سر دے دیا
ہر سو بھڑک اٹھی آگ ہمدردی کی — ہنگامۂ کان پور نے کام کیا

۳۹ - ایضاً

صد شکر وطن سے کوچ نفرت نے کیا [ایضاً] گھر اہلِ وطن کے دل میں الفت نے کیا
تقریروں سے ہو سکا نہ تحریروں سے — جو کارِ نمایاں کہ مصیبت نے کیا

۴۰ - ایضاً

تائید میں حق کے جو بلا آتی ہے [ایضاً] ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے
بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے — روٹھے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے

۴۱ - روزانہ ہمدرد کا اجراء

تمغوں کی ہوس ہے یاں خطابوں کی طلب — اِک ملک کی خدمت کا ہے سودا یارب
"ہمدرد" کو اسم بامسمیٰ کیجو — اِس نام کی لاج ترے ہی ہاتھ ہے اب

حصّہ سوم

ترکیب بند

شکریۂ والیٔ رام پور

مولانا نے یہ نظم آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں اجلاس منعقدہ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کے لیے جو رامپور میں ہوا تھا تیار کرنی شروع کی تھی مگر بوجوہات عین وقت تک مکمل نہ ہو سکی اور اسی ناتمام حالت میں جلسہ میں پڑھی گئی ۔ یہ ترکیب بند اگرچہ اس "مجموعہ نظم" میں موجود ہے جو "مولوی وحید الدین صاحب سلیم" نے شائع کیا تھا مگر دوسرے عام مجموعوں میں نہیں ہے اور مولانا سلیم کا مرتبہ مجموعہ بھی اب دستیاب نہیں ہوتا لہٰذا اس نظم کو ہم یہاں درج کرتے ہیں تاکہ عام شائقین تک پہنچ سکے (اسماعیلؔ)

بند اوّل

صاحبو! سمجھو نہ اس جلسہ کو ہرگز سرسری
ہیں مرادیں اور امیدیں کوٹ کوٹ اس میں بھری

اب تک اِس ہتھیار کی سینکوں کا کوئی بند تھا
جہل سے لڑنے کو تھی اک فوج ۔ لیکن بے سری

اہل ملک و جاہ ۔ جو ہیں قوم کی امیدگاہ
سب نظر آتے تھے ہمدردی کی تہمت سے بری

دُور ہی دُور ابر دریا دل برستا تھا سدا
قوم کی کھیتی نظر آتی نہ تھی ہوتی ہری

سر میں کچھ سودا تھا جن کے قوم کی تعلیم کا
تھیں فقط دینے کو ان کے پاس اپنی جیبیں نری

گو فصاحت اور بلاغت انکی تھی ضرب المثل — گو کہ اسپیچیں تھیں اُن کی سر بسر جادو بھری
سُننے والوں پر مگر چلتا نہ تھا اُن کا فسوں — کوئی کافر جانتا تھا اُن کو۔ کوئی نیچری
قوم کی تعلیم کا عقدہ تھا لاینحل ہوا — پیش جاتی تھی نہ کچھ تدبیر کی کاریگری
جان و دل ہر ہائنس حامل علیجاں پر نثار — جو ہوا ہی اک متاع کس مپرس کا مشتری
آج سے وہ سب مسلمانوں کے سر کا تاج ہے — دے رہی ہی یہ شہادت قوم کی مجلس بھری
جان لی ہی قوم کی اُس نے اگر دو ماندگی — مان لی ہی قوم نے بھی دل سے اسکی سروری
پہلے سر جھکتے تھے ڈر سے۔ اب دل جھک گئے — شہریاری ہی وہی۔ جس میں ہو شانِ دلبری
ایسے کچھ خوش خوش نظر آتے ہیں آج افرادِ قوم — پا گئی گویا سلیمانؑ کی اُنہیں انگشتری
آج کا جلسہ ہی حق میں قوم کے اک فال نیک — موجزن جس دل میں دیکھو ہی اُمید بہتری

اتفاق اور ایسے پیش آجائیں گر دو چار اب
قوم کی تعلیم کا ہوتا ہے بیڑا پار اب

بند دوم

لی ہے کروٹ ایک مدت سے زمانہ نے بدل — راس تھا اگلوں کو جو موسم گیا کب کا نکل
جو تمدن کی عمارت۔ تھے گئے اسلاف چھوڑ — آگیا ہی اُس کی بنیادوں میں سر تا سر خلل
کام کے ہیں اب دُنیا میں ہنر اُنکے نہ فن — اور بکار آمد زمانے میں ہی کس انکا نہ بل
ہیں نئی رسمیں۔ نئے آئیں نئی ہی چال ڈھال — اور نئے علم و ہنر کا ہی جدھر دیکھو عمل
ہی نئی گویا زمیں۔ ہی آسماں گویا نیا — کینچلی گویا کہ لی ہی زال دُنیا نے بدل
بڑھ رہے ہیں۔ جو ہوا کا رُخ ہیں پاں پہچانتے — گل رہے ہیں۔ اپنی دُور اندیشیوں کے اُن کو پھل
مٹ رہے ہیں۔ جو ہیں اپنی آن پر بیٹھے ہوئے — آج گزری خیریت سے۔ تو نہیں خیر انکی کل
ساتھ اُنہیں دینا پڑے گا یاں زمانہ کا ضرور — ورنہ رہنا ہوگا دنیا میں بحالِ مبتذل

زندگی ہے قوم کی اب منحصر تعلیم پر ورنہ سُن لو! قوم کی نزدیک آپہنچی اجل

سلطنت ہو یا ریاست۔ قوم ہو یا خاندان جو نہیں تعلیم پر مائل۔ وہ سب جائیں سنبھل

جس کو کہتے ہیں زمانہ۔ ہے وہ شانِ کبریا اُس کے وعدے ہیں اٹل۔ اُسکی وعیدیں ہیں اٹل

جو چلے منزل گہ دنیا میں چال اُسکے خلاف رفتہ رفتہ اُس کی چالوں نے دیا اُن کو کچل

ہاتھ ملتی ہیں وہ قومیں اپنی نادانی پہ آج ہاتھ سے جن کے گیا تعلیم کا پہلو نکل

جب یہ حالت ہے تو بتلاؤ کہ کیا کرنا ہے اب؟

ملک میں عزت سے جینا ہے کہ بس مرنا ہے اب؟

بند سوم

یاد ہے اے دام پور! اپنا تجھے عہدِ کہن جبکہ تھا ایک ایک جواں یاں رشکِ گیو و تہمتن

خاک سے ساونت اُگتے تھے تری او سورما تیری یہ بانسی نہ تھی۔ گویا کہ تھا شیروں کا بن

معرکوں سے اُن کے رنگین ہیں ورق تاریخ کے یاد ہے جن کو بھلا سکتا نہیں طولِ زمن

پر وہ اب دم خم رہا تجھ میں نہ وہ کس بل رہا کر دیئے گردش نے دوراں کے نئے سارے ہرن

ملک سے رخصت ہوئے دن جنگ و پیکار کے لے لیا فتنوں سے ہجرت کا زمانہ نے بچن

شیر بکری آج کل پیتے ہیں پانی ایک گھاٹ چین سے ہیں پاؤں سب پھیلا کے سوتے مرد و زن

عام ہے اِس عہدِ فرخ فال میں امن و اماں شرق سے تا غرب اور اُتر سے لیکر تا دکن

پر دلیروں کے لیئے میدان خالی ہیں بہت گر سلف کا اُن کے دل گردوں میں کچھ باقی ہے گُن

اِک قوی دشمن کا ہے در پیش اُن کو سامنا جس کی روندن میں ہزاروں ہوگئے ویراں چمن

روک دی دریا کی رَو حملے سے جو اُسکے بچا کر دیا پربت کو رائی جس نے جیتا اُس سے رَن

نام ہے اُس کا تعصب اور جہالت ہے لقب کجروی کا ہے وہ رہبر راستی کا راہزن

یہ وہ دشمن ہے کہ غالب آگیا جس قوم پر

ہو گئی وہ قوم آنکھوں دیکھتے زیر و زبر

بند چہارم

سہل مت سمجھو تعصب کو۔ بُری ہی یہ بلا — کردیا ہی اِس نے قوموں اور گھرانوں کو فنا
حکم ہی اس کا کہ فاقہ ہے تو فاقہ میں مرد — اور جو ذلت ہی تو ذلت پر رہو قانع سدا
حکم ہی اِس کا کہ کوئی قوم جس حالت میں ہو — بس وہی ہی اُس کی عزت اور شرف کی انتہا
باپ دادا جو گئے ہیں چھوڑیاں رسم و رواج — ناخلف ہی ایک اینچ اُس سے اگر آگے بڑھا
آدمؑ و حوّاؑ نے گر پتوں سے ڈھانکا تھا بدن — نسل میں اُنکی وہی پوشش ہے جاری سدا
نوحؑ کی کشتی میں تختے تھے اگر ان گھڑ لگے — ہوں جہاز اب بھی اُسی کینڈے کے بے چون و چرا
آدمی کا گھر ہو ایسا ہی پُرانی چال کا — لومڑی کا جیسے بھٹ ہی اور بئے کا گھونسلا
ایک کا نام آدمی ہو۔ ایک کا ہو جانور — آدمی اور جانوروں میں۔ ہو نہ فرق اسکے سوا
باپ دادا کے لیئے بیٹھے ہو کیا رسم و رواج؟ — وہ گئے اور دم کے ساتھ اُن کا دمامہ بھی گیا
دیکھو تم گرتے چلے جاتے ہو پستی کی طرف — آگے آتا ہی گڑھا۔ بعد اسکے ہی تحت الثریٰ

گر کرو زیر ایسے دشمن کو۔ تو ہی مردانگی
جو اُبھرنے کی نہیں دیتا تمہیں پروانگی

فلسفۂ ترقی

یہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ نظم جس میں ترقی کے اسباب و تنزل کے بواعث پر نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ بحث کی گئی ہی مولانا نے ۳۱ دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سترہویں جلسہ کے چھٹے اجلاس میں جو مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا بمقام بمبئی خود پڑھکر سُنائی تھی۔ حسب امید اس نظم کا حاضرین کانفرنس پر بہت اثر پڑا۔ اور صوبۂ بمبئی نے جس شوق و ذوق کے ساتھ مولانا کو کانفرنس کی شرکت کے لیے دعوت دی تھی اُسکی پوری داد ملی ۱۲ (اسماعیل)

بند اوّل

اے عزیزو! تم بھی ہو آخر بنی نوعِ بشر — غُل ہی کیا نوعِ بشر میں کچھ تمھیں بھی ہی خبر؟

کر رہا ہی خاک کا پتلا وہ جوہر آشکار — ہو رہی ہی جس سے شانِ کبریائی جلوہ گر

رفتہ رفتہ یہ غبارِ ناتواں پہنچا ہی وہاں — طائرِ وہم و تصور کے جہاں جلتے ہیں پر

اُس نے اِن کمزور ہاتھوں سے مسخر کرلیا — ابر و برق و باد سے تا بحر و بر و دشت و در

حق نے آدم کو خلافت اپنی جو کی تھی عطا — دے رہے ہیں اُس خلافت پر گواہی بحر و بر

تھا ارسطو اور فلاطوں کو بہت کچھ جن پہ ناز — ہو گئے تقویمِ پارینہ وہ سب علم و ہنر

کل کی تحقیقات نظروں سے اُتر جاتی ہی آج — بڑھ رہا ہی دمبدم یوں آج کل علمِ بشر

قوتِ ایجاد نے اب یہاں تلک پکڑا ہی زور — شام کی ایجاد ہو جاتی ہی باسی تا سحر

ساز و ساماں جو نہ تھے کل جو بادشاہوں کو نصیب — کوڑیوں کے مول بکتے پھرتے ہیں وہ در بدر

کہتے ہیں مغرب سے جب ہوگا برآمد آفتاب — عرصۂ آفاق میں ہوگی قیامت جلوہ گر

دوستو! شاید وہ نازک وقت آپہنچا قریب — آرہی ہی روشنی مغرب سے اِک اُٹھتی نظر

رو ترقی کی چلی آتی ہے موجیں مارتی — اگلے وقتوں کے نشاں کرتی ہوئی زیر و زبر
دستکاری کو مٹاتی صنعتوں کو روندتی — علم و حکمت کی پرانی بستیاں کرتی کھنڈر

ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

بند دوم

ہند میں بھی یارو! آپہنچا ہے اس رو کا قدم — جو ہیں ناقابل۔ اب اُن کا کچلنے والا ہے بھرم
ہے ترقی۔ پر تنزل بھی ہے اسکے ساتھ ساتھ — یہ کسی کے حق میں امرت ہے کسی کے حق میں سم
پست کو بالا یہ کر دیتی ہے اور بالا کو پست — کر دیا زیر و زبر اس نے۔ جہاں رکھا قدم
گل کھلایا اس نے جو اقصائے مشرق میں ابھی — اسکے لکھتے وقت ہاتھوں میں لرزتے ہیں قلم
چین جو وسعت میں کم اک بر اعظم سے نہ تھا — اک جزیرہ کی لپٹ نے کر دیا اس کو بھسم
دیکھئے پیچھے نہ ہٹ جشموں سے رہیگا کہیں — حق میں ہمسایہ کے ہمسایہ کا بڑھنا ہے ستم
جانتے ہو لے عزیزو! ہے تنزل چیز کیا؟ — "اکتفا کر لینا قناعت۔ مل گیا جو بیش و کم"
گو کہ ہے افراد کے حق میں یہ خصلت کیمیا — حق میں لیکن قوم کے یارو یہی خصلت ہے سم
تن یہ تھا فاروق اعظم کے پھٹا کرتا۔ مگر — قوم کی خاطر بھری نیت نہ لیکر ملک جم
جیتے ہیں دنیا میں وہ کیڑے مکوڑوں کی طرح — جن کو بڑھنے کی تمنا اور نہ کچھ گھٹنے کا غم
جس طرح موری کا کیڑا خوش ہے اپنے حال میں — گذرے جو حالت اسی میں بس مگن رہتے ہیں ہم
پر زمانہ کہہ رہا ہے یہ۔ بہ آواز بلند — "یا قدم آگے بڑھاؤ۔ ورنہ لو راہِ عدم"

بے ترقی ملک میں جینا ہے دشوار آج کل
وحشیوں کی موت ہے شائستہ قوموں کا عمل

بند سوم

ہو نہ ہمدردی کا عنصر قوم میں یارو جہاں — واں ترقی کے لیے سب کوششیں ہیں رائیگاں

راس بیڑے کو ترقی کے نہیں کوئی ہوا — جوش ہمدردی سے ہوتا ہی جہاز اُسکا رواں

قوم تھی یُونان کی دنیا میں ایک محدود قوم — ہو گئی حُبِّ وطن سے فخرِ اقوامِ جہاں

ایک کو کچھ ایک کی پروا نہ ہو جس قوم میں — ہی حماقت۔ قوم کی کثرت پہ ہونا شادماں

قوم کس گنتی میں ہی وہ۔ دل نہ ہوں جسکے ملے؟ — گو کہ وہ کثرت سے اپنی گھیر لے سارا جہاں

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں جسکے دل وہ قوم کیا؟ — ہی وہ اک مقتل۔ لہو روتا ہی جس پر آسماں

یاد رکھو! پڑ گئی جس ملک یا ملت میں پھوٹ — ہیں وہ اس مہماں سرا میں کوئی دن کے میہماں

غزنوی۔ غوری۔ مغل۔ سادات۔ لودی و غلام — رہ گئے نوبت بہ نوبت ہند پہ جو حکمراں

دن بُرے جب آ ئے اور باہم لگے سر پھوڑنے — صفحۂ ہستی سے اُن کا مٹ گیا نام و نشاں

دین[51] کہتے ہیں جسے وہ خیر خواہی کا ہی نام — ہی مسلمانو یہ ارشادِ رسولِ انس و جاں

ہیں نمازیں اور روزے اور حج بیکار سب — سوزِ اُمت کی نہ چنگاری ہو گر دل میں نہاں

جس کا تم بھرتے ہو کلمہ جس پہ پڑھتے ہو درود — نام پر جسکے عزیزو! تم فدا کرتے ہو جاں

جیتے جی اُمت کی لَو۔ دل کو رہی اُسکے لگی — وقتِ آخر اُمت اُمت اُسکے تھا ورد زباں

بھائی بھائی ہو گئے ہو دین کی برکت سے تم — ہی غضب گر بھائیوں پر ہوں نہ بھائی مہرباں

کھول[52] کر دیکھو کتاب اللہ کی کہتی ہی کیا؟ — "کلمہ پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں بے امتحاں"

دین کا دعویٰ اور اُمت کی خبر لیتے نہیں
چاہتے تم سند۔ اور امتحاں دیتے نہیں

---

[51] حضور صلعم کی حدیث ہی کہ الدین النصیحۃ

[52] اس شعر میں آیت ذیل کیطرف اشارہ ہی اَحَسِبَ النَّاسُ اَن یُترَکوا اَن یَقُولُوا آمَنَّا وَهُم لَا یُفتَنُونَ[۱۲]

بند چہارم

اُن سے کہہ دو - ہے مسلمانی کا جنکو ادعا
قوم کی خدمت میں ہے پوشیدہ بھید اسلام کا

وہ یہی خدمت - یہی منصب ہے جسکے واسطے
آئے ہیں دنیا میں سب نوبت بہ نوبت انبیا

قوم کی خدمت میں کر دیں اپنی جب عمریں تمام
تب فرائض سے نبوت کے ہوئے عہدہ برآ

وہ رسولِ ہاشمی وہ رحمۃ اللعالمین
پیروی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا

جانتے ہو؟ قوم سے تھا اپنی کیا اُس کا سلوک؟
اُس طرف سے تھی جفا۔ اور اس طرف سے تھی دعا

کونسی تکلیف تھی جو قوم نے اُس کو نہ دی
پر کبھی چاہا نہ اُس نے - قوم کا اپنی بُرا

جب اُحُد میں ہو گیا دندانِ پاک اُسکا شہید
قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اسکے سوا

"کر ہدایت[51] قوم کو یارب کہ ہیں معذور یہ
اُن کی عقلوں پہ ہے پردہ جہل و غفلت کا پڑا"

قوم کے حملے سہے جبتک کہ اُسکی ذات پر
خندہ پیشانی سے سب اُن کے سہے جور و جفا

پڑ گئی جب قوم سب مل کر مٹانے نامِ حق
اور خدا کا پوجنا بندوں کو مشکل ہو گیا

غیرتِ حق نے نہ دی پھر مہلتِ صبر و شکیب
دین کی آخر حمایت پر کھڑا ہونا پڑا

لشکرِ حق سے مگر جب ہو گئی مغلوب قوم
پھر وہی شفقت۔ وہی رحمت وہی احسان تھا

تھی یہی وہ قوم جسکے حق میں فرماتے تھے آپ
"ہے عرب[52] کی دوستی جزو دین اور ایمان کا"

تھی یہی وہ قوم۔ تھا جسکے لیے ارشاد یہ
"قوم کا خادم[53] ہے آقا سب کا بیچون و چرا"

قوم کے خادم رہے اور دوست جبتک اہلِ دیں
دین اور دنیا میں بول اسلام کا بالا رہا

پڑ گئے۔ خود غرضیوں نے جبکہ دل ایک ایک کے پھاڑ
حکم جو مالک کا تھا بندوں کے وہ پورا ہوا

---

[51] حضور علیہ السلام کے الفاظ یہ تھے اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن ۱۲

[52] آنحضرت کا ارشاد ہے حُبُّ الْعَرَبِ مِنَ الْاِیْمَان ۱۲

[53] فرمانِ نبوی ہے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُم ۱۲

حکم تھا اُس کا کہ جھگڑوں سے رہو تم برکنار
ورنہ کھو بیٹھو گے سب اپنا وقار اور اعتبار

بند پنجم

سچ کسی دانا نے تھا قوم سے اپنی کہا
"جو کہ حامی قوم کے ہیں اُن کا حامی ہی خدا"

دیکھ لو ممتاز دنیا میں وہی قومیں ہیں آج
قوم پر قربان ہی جن کا ہر ایک چھوٹا بڑا

یہاں تلک پھیلا ہی اُن قوموں میں قومیت کا درد
اپنے ایک اک فرد پر قوموں کی جانیں ہیں فدا

ملک سارا چھین کر بھی اُن کو چین آتا نہیں
اپنے اک مقتول کا جب مانگتے ہیں خوں بہا

اختلافِ دین و مذہب گھل رہا تھا جیسے زہر
جس نے ملکوں میں دیئے تھے خون کے دریا بہا

دمبدم وہ اختلاف اب بن رہا ہی اتفاق
زہر میں ہونے کو ہی پیدا اثر تریاق کا

کر رہا ہی جوشِ ہمدردی کی صورت میں ظہور
وہ تعصب جس نے باپوں سے کیے بیٹے جدا

دیتے ہیں وہ۔ اپنے ذاتی فائدوں پر خاک ڈال
اپنے جب نقصان میں ہو قوم کا اُن کی بھلا

وہ ہملٹن کی جواں مردی سُنی ہو گی۔ کہ جب
ہو گئی فرخ سیر کو ہاتھ سے اُس کے شفا

قوم پر قربان کر دیں اپنی اُمیدیں تمام
آپ کچھ لینا نہ چاہا اپنی خدمت کا صلا

ہی اُسی حُبِ وطن کا اُس کے یہ سارا ظہور
ہند پر ہی آج جو برطانیہ فرمانروا

ایک ماماں جس کو دس ملتے ہیں ہفتہ میں شلنگ
جسکے کنبے کا سب اس تنخواہ پر ہے آسرا

جا کے دے آتی ہی خوش خوش ایک ہفتہ کی طلب
قوم کی خاطر کہیں سُنتی ہی جب چندہ کھلا

ہی غرض چندہ کی کیا؟ اس سے نہیں کچھ اُسکو کام
قوم کا نام آیا اور قابو سے دل باہر ہوا

حق کو ہوتا ہے جنہیں دنیا میں کرنا سربلند
خصلتیں یہ برگزیدہ اُن کو ہوتی ہیں عطا

اُن کے مفلس۔ قوم کیخاطر وہ کر جاتے ہیں کام
پست قوموں میں نہیں کر سکتے جو کام اغنیا

ہی انہیں ہمدردیوں کا اُن کی یہ ثمرہ کہ آج
اس کرہ کے گرد ہیں وہ چھائی ہوئی مثل ہوا

لوہا مقناطیس کی جانب ہے کھنچتا جس طرح
اُس طرف کھنچتی چلی جاتی ہے دُنیا اس طرح

بند ششم

ہی یہ قوموں کی ترقی اور تنزل سے عیاں
خود تنزل میں ہے سرچشمہ ترقی کا نہاں

ایک کا ہی جو تنزل۔ دوسرے کا ہی عروج
اس کا بکتا ہی مکاں۔ تب اُسکی چلتی ہی دُکاں

کوئی یہاں بنتا نہیں۔ جبتک نہ بگڑے دوسرا
گھانس کھُد جاتی ہی جب۔ پڑتی ہی کھیتی میں جاں

ہوتے ہوتے خشک۔ جب دریا میں خاک اُڑنے لگی
تب ہوئے نہروں سے جنگل غیرتِ باغِ جناں

پیچھے مرغِ چمن کو تب ہوئے جا کر نصیب
کر چکا کیڑے مکوڑے جب ہزاروں نوشِ جاں

جان لو قسمت کسی کی جاگنے والی ہی اب
جب سنو یارو۔ بگڑتا کوئی گھر یا خانداں

آسماں سے جن کے خوان آتا نہیں اقبال کا
ہی وہی اک چیز کل جو یہاں تھی آج وہاں

میزباں کی دیکھتی ہی آنکھ جب بدلی ہوئی
وہاں سے اُٹھ کر دوسرا جا ڈھونڈھتی ہی میزباں

جانے والا ہی مقرر اُن کا گھر غیروں کے پاس
جو کمر باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گھر کھونے پہ یاں

قصرِ ایواں ہوں مبارک تم کو اے محنت کشو
عیش کے بندے بہت ہونے کو ہیں بے خانماں

یاد رکھو! ہونگے اب حقدار۔ اُنکے جانشین
ہاتھ سے حق کھو دیئے اپنے جنہوں نے رائیگاں

ہونگے مزدور اور بکیرے اُن کے اب قائم مقام
پھرتے ہیں بیکار جن کے کودک پیر و جواں

اے مسلمانو! افلاک کی گردشوں سے غافلو!
تم کو رخصت ہی۔ لٹا دو وقت و دولت رائیگاں

دیکھو جب غیروں کو تم بڑھتا۔ کرو اپنے پہ ناز
ہیں تمہارے عیش و غفلت کی یہ سب فیاضیاں

مت کرو شکوہ مشیت کا خدا ظالم نہیں
بلکہ ظالم ہیں تمہاری اپنی بد اعمالیاں

یہ ہی قانونِ الٰہی جو کبھی ٹلتا نہیں
گو جگہ سے اپنی ٹل جائیں زمین و آسماں

چھٹتی جائینگی وہ قومیں جو بگڑتی جائینگی
ٹہنیاں جو سوکھتی جائینگی جھڑتی جائینگی

مسٹر آرنلڈ کی روانگی ولایت

غیر مطبوعہ

یہ ترکیب بند ۲۵ فروری سنہ ۱۹۰۴ء کو مسٹر آرنلڈ پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڈھ کی رخصت کے وقت جبکہ وہ ہندوستان سے قطع تعلق کرکے معہ اہل وعیال انگلستان جانیوالے تھے علیگڈھ میں بمقام اسٹریچی ہال مولانا نے پڑھا تھا (اسمٰعیل)

بند اول

دوست۔ اور پھر دوست بھی سچا عجب نعمت ہی یہاں ہو نہیں سکتا بدل اک دوست کا سارا جہاں

دوست کو دنیا میں سمجھو اک درخت باردار پھول جس کے خوشنما۔ اور پھل لذیذ و جسم و جان

جس کے شاخ و برگ گوناگوں فوائد سے بھرے جس کا سایہ ہر کسی کے حق میں اک ابر اماں

دوست کے ملنے میں ہی جو لطف۔ ظاہر ہی مگر ہی بچھڑنے میں بھی اُسکے۔ اک عجب لذت نہاں

ہجر میں جیتے ہیں اُس کے وصل کی اُمید پر اس لیے مہجور بھی رہتے ہیں اُسکے شادماں

آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا کبھی اُس کا خیال دوستوں کے سامنے ہی وہ۔ رہے جاکر جہاں

اُسکی رخصت سے قلق ہوتا ہی گو دل کو۔ مگر یاد رہتا ہی سدا۔ وہ وقت رخصت کا سماں

چپ کھڑا ہی کوئی۔ ہی بڑھکر گلے ملتا کوئی ایک کا اُمڈا ہی دل ہیں ایک کے آنسو رواں

ہی یہ گو غم کا سماں۔ لیکن مبارک ہی وہ غم جس سے ظاہر ہوں محبت اور صداقت کے نشاں

جسم سے انساں کے۔ ہو جان رخصت جس طرح

دل کے پردیسی چلے پردیسیوں سے اِس طرح

بند دوم

آج ہم اُس دوست سے افسوس ہوتے ہیں جدا — دوستی پر جس کی ہم کو ۔ فخر کرنا ہے بجا

قوم کا ایک اینگلو سکسن ۔ یہ دل سے خیر خواہ — ہند کی ایک خستہ ۔ درماندہ ۔ شکستہ قوم کا

دین کا پکا مسیحی ۔ پر مسلمانوں کا دوست — جس نے ہم کو وہ زمانہ یاد پھر دلوا دیا

جبکہ ہم کو دی گئی تھی یہ خبر قرآن میں — "پاؤ گے عیسائیوں کو دوست تم سب سے سوا"[۵۱]

دین جس کا غیر اور بیگانہ جسکی نسل و قوم — گھر سمندر پار جس کا اور زباں ناآشنا[۵۲]

خیر خواہی میں ہماری اُس نے سب یکبارگی — تفرقے یہ عارضی دل سے دیئے اپنے مٹا

جس قدر یہاں پیش آئیں ہم کو قومی مشکلات — حاضر و غائب ہمارا اُن میں ساتھ اُس نے دیا

کر دکھایا اُس نے وہ ۔ جو حکم تھا انجیل میں — "تم پرایوں کا بھی اپنوں کی طرح چاہو بھلا"

جس قدر یہاں پیش آئیں ہم کو قومی مشکلات — حاضر و غائب ہمارا اُن میں ساتھ اُس نے دیا

ہے جدائی شاق اُس کی پر نہیں جب اختیار — ہی وہی مرضی ہماری جو کہ ہے اُس کی رضا

ٹھان لی ہے اُس نے گو ہم سے جُدائی کی مگر — ہم تو جب جانیں ۔ ہمارے دل سے ہو جائے جدا

قصہ کوتاہ ہم سے اب چھٹتا ہے پیارا آدتل
فخر سے ہم جس کو کہتے تھے ہمارا آدتل

بند سوم

کہتے ہیں دُوری میں ہو جاتی ہے اکثر یاد کم — پر کریں گے اس کو دوری میں زیادہ یاد ہم

ہند میں رہتی تھی اکثر اُس کے ملنے کی اُمید — اس لیئے اُس کی جدائی کا نہ رہتا تھا غم

---

۵۱ اس شعر میں قران مجید کی آیت کی طرف اشارہ ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِيْنَ آمَنُوا لِلَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى [مائدہ ۵/۸۲]

۵۲ مطبوعہ نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے ع ملک جس کا دور ہم سے اور زباں نا آشنا

پر بظاہر ہی اب اُسکی یاد ہی اُس کا بدل — اِس لیے یہ پھانس اب کھٹکا کریگی دمبدم
ایسے غمخواروں کو کوئی کس طرح دل سے بھلائے؟ — آکے جو پردیس میں کھاتے ہیں بیگانوں کا غم
زندگی ہی جب تلک باقی نہ بھولیں گے کبھی — آرنلڈ کے مادِ حسن۔ وبِک کے احسانات ہم
مرحلے دشوار جو یہاں ہم کو پیش آتے رہے — وہ رہے ہمدم ہمارے ہر جگہ اور ہمقدم
جن جوانمردوں کے یہ برتاؤ ہوں غیروں کے ساتھ — کیوں نہ ہو قوم اُن کی عالم کی نظر میں محترم؟
ہندیوں سے یہ ہیں گر اخلاق انگلش قوم کے — تو یہ سمجھو بک گئے ہاتھ اُنکے ہندی بیدرم
جس عَلم کی ہی دلوں میں خلق کے بوٹی گڑی — تا قیامت سرنگوں وہ ہو نہیں سکتا عَلم
ہی محبت ہی کہ وحشی جس سے ہو جاتے ہیں رام — جس کے آگے گردنیں ٹیڑھو تکی ہو جاتی ہیں خم

جو ہی ناسوروں کو بھر دیتا وہ مرہم ہے یہی
جس سے جن تسخیر ہوتے تھے وہ خاتم ہے یہی

بند چہارم

ہی محبت کی کہانی میں بھی کیا دلبستگی! — ختم پھر ہوتی نہیں یہ داستاں جب چھڑ گئی
آرنلڈ کی مہر و الفت کے بیاں سنے یکقلم — یاد سے عظمت بھلا دی اسکے علم و فضل کی
ذکر اُس کا ہو۔ نہ جس میں علم کا اسکے بیاں — حِدّ ناقص ہی۔ نہ قیدِ فصل ہو جس میں لگی
علم میں جو اُس کا درجہ ہی وہ ہو کیونکر بیاں — منہ ہی چھوٹا فی المثل۔ اور بات ہی یار و بڑی
کارنامہ اُس کا ہی جو دعوتِ اسلام پر — اُس کے علم و فضل پر برہان کافی ہی یہی
مشرق و مغرب میں صدیوں تک رہیگی یادگار — اُس نے جو تاریخ پر ڈالی ہی آکر روشنی
دعوتِ اسلام پر[1] مدت سے تھا چھایا ہوا — اِک اندھیرا جسمیں تھی ظلمت پہ ظلمت پڑ رہی

[1] مطبوعہ نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہی ؎

دعوتِ اسلام تھا ایک ایسا لاینحل سوال — جسکی اصلیت پہ تھی ظلمت پہ ظلمت چھا رہی

ہو بیٹھے تھے سب مسیحی بدگمان اسلام سے — جبر پر سمجھے ہوئے تھے جو مدار اسلام کی
دونوں فرقوں کے دلوں میں تھا پڑا ہیا تنگ غبار — ہو گئی تھی بیچ میں دیوار اک گویا کھڑی
ایک مدت تک رہا تاریخ پر پردہ پڑا — شاہد حق نے نہ جلوہ اپنا دکھلایا کبھی
سب سے پہلے خود مسلمانوں کو لازم تھا کہ وہ — جبر کے الزام سے اسلام کو کرتے بری
پھر مناسب تھا مسیحی کرتے اسکی چھان بین — نکلی کوشش سے ہیں جنکی غلطیاں اکثر دلی
پر نہ کوئی کر سکا سر یہ مہم جز آرنلڈ — نام پر گویا اُسی کے فتح تھی اس کی لکھی

اُس نے جو لکھا اُسے منوا دیا بے چون و چند
مذہب اور تاریخ دونوں اُس کے ہیں احسانمند

بند پنجم

توڑنے والی تھی یہ تصنیف ہمت کی کمر — کامیابی غیر ممکن اس میں آتی تھی نظر
تھی مصنف کو ضرورت اُس میں جس سامان کی — جستجو میں اُس کی طے کرنے تھے اسکو بحر و بر
مشکلوں کا تھا اُسے ہر ہر قدم پر سامنا — ایک مشکل سے تھی مشکل دوسری دشوار تر
ڈھونڈھنے تھے اسکو مشرق اور مغرب کے وہ واقعات — جن سے تھی تاریخ ساکت۔ اور مورخ بے خبر
قافلہ کا کھوج وہاں اُس کو لگانا تھا جہاں — نقش پا تھے اور نہ آوازِ درا تھی راہبر
[۱] ہو رہا ہے نظم میں ان مشکلوں کا جو بیاں — بے سر و پا سمجھیں ایسا ہی اُسے اہل نظر
[۲] جیسے ایک گونگا اشاروں میں کرے آکر بیاں — سامنے اہل وطن کے اپنی روداد سفر
[۳] جز مصنف کوئی درد اُس کا سمجھ سکتا نہیں — جھیلتے ہیں جو یہ کڑیاں۔ بس اُنہیں کو ہے خبر

---

[۱] مطبوعہ نسخہ میں یہ شعر اسطرح ہے — مشکلیں اِس کام کی کرتی بیاں ہوں نظم میں + سمجھو ایسی ہے مثال اسکی بس اے اہل نظر
[۲] " " " " ہے — جیسے اک گونگا اشاروں سے شب تاریک میں + سامنے لوگوں کے دے کچھ طبیعات پہ
[۳] " " " " ہے — جز مصنف درد سے اُسکے کوئی واقف نہیں + جھیلتے ہیں جو یہ کڑیاں کچھ انہیں کو ہے خبر

آرنلڈ کا مذہبی دُنیا پہ جو احسان ہے — ہو نہیں سکتا ادا شکر اُس کا قِصّہ مختصر
اب دعا یہ ہے کہ پردیسی مسافر خیر سے — برکتوں کے سایہ ہی سایہ میں جا پہنچے وہ گھر
آرنلڈ، مس آرنلڈ، مسز آرنلڈ سب کے لیے — یہ سفر فتح و ظفر کا ہو وسیلہ سر بسر

آرنلڈ سے فتح علمی جو ہوئی ہے آشکار
ہوں فتوحات آشکارا اُس سے ایسے بے شمار

انجمن حمایت اسلام لاہور

اور اُس کے کام

(غیر مطبوعہ)

یہ نظم اپریل ۱۹۰۸ء میں "انجمن حمایت اسلام لاہور" کے سالانہ جلسہ کے موقع پر پڑھی گئی

بند اول

شُکرِ خدا برکت جماعت میں تری ہے انجمن — کر دیا تو نے نیا اسلام کا عہد کہن
جس طرح اسلام کی بنیاد غربت میں پڑی — تو نے بھی غربت میں جھیلے مدتوں رنج و محن
جیسے گذرے سخت پہلے چند سال اسلام پر — ایسی ہی گذری ہیں پہلی منزلیں تیری کٹھن
اوّل اوّل جیسے یاور تھے قلیل اسلام کے — تیرے یاور بھی یونہیں تھے ابتدا میں چند تن
بدگماں اسلام سے جیسے تھے اوّل تیرہ بخت — تیری نسبت بھی بہت کچھ تھے یونہیں سوء ظن
سلطنت پر یا رئیسوں پر نہ تھا تکیہ تجھے — جز خدا کوئی نہ تھا سر پر ترے سایہ فگن
تیری کوشش کی تھی بارانی زراعت کی مثال — ہو جسے ہر دم لگی تائید غیبی کی لگن
باغبانوں کے پسینے کے سوا رکھتا نہ تھا — آبیاری کا کہیں سے آسرا تیرا چمن

پر رہا دل تیرا ایسا اپنی ہمت سے قوی ۔۔۔ گویا لشکر تھا خدا کا تیرے ساتھ اے انجمن
فتح پائی تو نے آخر اپنے استقلال سے ۔۔۔ بچ گیا ڈنکا ترا کائل سے لے کر تا دکن
سا یچ کو جب تک نہیں اے انجمن دنیا میں آنچ ۔۔۔ تیری پشتی پر رہے تائید ربِّ ذو المنن

تجھ سے اُمیدیں ہیں وابستہ بہت احباب کی
قوم کی دایہ ہے تو ۔ اور ماں ہے تو پنجاب کی

بند دوم

تو نے لی جس وقت لاوارث یتیموں کی خبر ۔۔۔ قوم میں کوئی شفیق اُن کا نہ آتا تھا نظر
کہہ رہی تھی بیکسی اُن کی زبانِ حال سے ۔۔۔ دین پر بھی اپنے جو نازاں وہ امت ہے کدھر؟
ہو رہی ہے پود کب سے پائمال اسلام کی ۔۔۔ اور کوئی کلمہ گو لیتا نہیں اُس کی خبر؟
بھائیوں کے دل پہ اُس سے میل تک آتا نہیں ۔۔۔ جو مصیبت دیکھ کر غیروں کا جی آتا ہے بھر
کر رہے ہیں قحط کے دورے قیامت آشکار ۔۔۔ چھٹ رہی ہیں بیٹیاں ماؤں سے باپوں سے پسر
ڈالتی ہیں کھیتوں پر ٹڈیاں جس طرح لوٹ ۔۔۔ قحط سالی میں یونہیں پڑتی ہے لوٹ اسلام پر
ناج آٹے کے عوض بکتا ہے یوں دین مبیں ۔۔۔ جس طرح بکتی ہے بازاروں میں جنسِ کس مخر"
سب سے پہلے بیکسوں کی یہ صدا تو نے سنی ۔۔۔ دل گیا تیرا لرز ۔ اُن کی تباہی دیکھ کر
تھا قساوت کا مسلمانوں پہ جو دھبا لگے ۔۔۔ تو نے دھویا ۔ دھل سکا ہاتھوں سے تیرے جسقدر
پر یہ دھبا قوم کے دامن سے چھٹ سکتا نہیں ۔۔۔ ہاتھ بٹوایا نہ مل کر قوم نے تیرا اگر
تک رہے ہیں تیری جانب قوم کے لاکھوں یتیم ۔۔۔ دوسرے سن کر ترسے دار الیتامیٰ کی خبر
ایک نادار اُس کو تکتے سیکڑوں بیمار ہیں ۔۔۔ لے گی کس کس کی خبر تو ۔ قوم غافل ہے اگر؟
پائیں گے ڈھونڈے نہ پھر اسلام کی دنیا میں یہ ۔۔۔ قحط کے دورے گئے دو چار اگر ان پر گذر
ہو گئے خالی ہزاروں گھر یونہیں اسلام سے ۔۔۔ گونجتی رہتی تھیں تکبیریں جہاں شام و سحر

قوم کو پروا نہیں اُن کی تو سُن اے انجمن
ہے پھر اُن لاوارثوں کا ملجا و ماویٰ مشن

بند سوم

پرورش میں اُن کی جاں کھپاتے ہیں جہاں — اُن کو شفقت سے کھلاتے اور پہناتے ہیں جہاں
عادتیں دیتے ہیں سب اُنکی جہاں سانچے میں ڈھال — جانور سے آدمی اُن کو بناتے ہیں جہاں
رکھتے ہیں ماں باپ سے بڑھکر جہاں اُنکا خیال — لاڈلوں کی طرح ناز اُنکے اُٹھاتے ہیں جہاں
کرتے ہیں لائق اُنہیں دنیا میں رہنے کے لیے — صنعت و علم و ہنر اُن کو سکھاتے ہیں جہاں
مینہ برستا ہے جہاں دولت کا اُنکے واسطے — رات دن امداد کے پیغام آتے ہیں جہاں
شیر خواروں کو جہاں رکھتے ہیں ماؤں کیطرح — نرم نرم اُن کو بچھونوں پر سُلاتے ہیں جہاں
اُن کی خدمت کے لیے ۔ اُنکی حفاظت کیلئے — ماسیاں ۔ انائیں ۔ مامائیں بلاتے ہیں جہاں
اُن کو جھولوں میں جُھلاتے ہیں جہاں شام و سحر — مثل فرزندوں کے اُنکو رکھ رکھاتے ہیں جہاں
قوم میں پرسش نہیں اُنکی تو وہاں پہنچیں گے وہ — پُتلیوں پر اُن کو آنکھوں کی بٹھاتے ہیں جہاں
اب کہو حقدار اُن کا ہے مشن یا انجمن — سال بھر میں تین دن ۔ سے دیکھے آتے ہیں جہاں

جب کہ آ کر انجمن کی سُنتے ہیں روداد ہم
پھر کبھی کرتے نہیں بھولے سے اُس کو یاد ہم

بند چہارم

اِس سے بڑھکر ہو گی کیا اے قوم غیرت کیجگہ؟ — ہو مشن ۔ اسلام کے پودوں کی خدمت کیجگہ
دل نہ اپنوں کا پسیجے ۔ اور کریں غیر دلداری — ہے مسلمانو! یہ غیرت اور حمیت کی جگہ
کیا قیامت ہے کہ حامی جن کے بیگانے بنیں — وہ نہ پائیں قوم میں اپنی حمایت کی جگہ

کیا غضب ہی غیر آسائش کہوں جن کی طفیل — اُن کو اپنوں میں ملے ڈھونڈی نہ راحت کی جگہ

ہمسری غیروں کی گر دولت میں کر سکتے نہیں — دین کی غیرت تو تم دیکھتے ہو دولت کی جگہ

بیکسوں کا دین بھی جس سے بچے اور جان بھی — اِس سے بڑھکر کونسی ہوگی اعانت کی جگہ؟

اِدّعا ہی تم کو اسلامی حمیت کا اگر — اس سے بڑھکر کونسی ہوگی حمیت کی جگہ!

اپنے بچوں کو مشن میں دیکھیں اور ہم مر نہ جائیں — کونسی اس سے زیادہ ہوگی ذلت کی جگہ؟

اب سوا اسکے کہ ہم اپنے پہ خود نفریں کریں — رہ گئی ہی کونسی باقی ملامت کی جگہ!

قحط نے یارو! لیا ہی دیکھ - گھر اسلام کا — گھر کو رکھنا ہو اگر؟ تو ہی یہ بذل ہمت کی جگہ

لُوٹے سے قحطوں کی کچھ دن اور اگر غفلت رہی

گود خالی ایک دن ہو جائے گی اسلام کی

بند پنجم

وہ گیا دورہ کہ تھے خلقت کے جتنے کاروبار — سب کا سلطانی اعانت پر تھا بس دارومدار

راج کے ذمے تھی پرجا کی ہر ایک بہبود و سود — آدمی اپنے فرائض سے نہ تھے خود ذمہ دار

اب زمانہ وہ ہی جس میں جزو نظام مملکت ہے — راج کے ذمے نہیں پرجا کا کوئی بوجھ بار

کر رہی ہیں اپنے اپنے بل پہ اب قومیں وہ کام — جو نہیں کر سکتے شاہنشاہ و شاہ و شہریار

پڑ رہا ہی آج دنیا میں یہی غل چار سو — "خود خبر لو قوم کی - گر قوم کے ہو غمگسار"

دین کا گر درد ہے تم کو - تو دو اُس کو فروغ — اور کرو ہر نیک و بد پر حجت حق آشکار

علم و فن کی درسگاہیں ملک میں قائم کرو — بھائیوں کی گر حالت دل پہ گذرے ناگوار

دیکھ کر حالت یتیموں کی - اگر کڑھتا ہی جی؟ — مال و دولت سے ملکے سب اُن پر کرو یارو نثار

انجمن کو سمجھو اپنے حق میں ایک انعام حق — کر رہی ہے جو ادا - قومی فرائض بے شمار

انجمن کوشش کی جا ہی کہ ہو ہر دم فروغ — دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں اسکے کاروبار

ہے تمنا یہ ترقی اُس کی روز افزوں رہے
اِس ترقی سے مگر رہنا عزیزو ہوشیار

ہو رہی ہے جو عمارت دمبدم بالا و بلند
اُس کو خطرہ ہے اگر بنیاد ہو نا استوار

اِس سے کیا حاصل کہ تم نے جوت لی میلوں زمیں
آبپاشی کی بھی کچھ تدبیر کی ہے یا نہیں؟

بند ششم

اب نہیں وہ دن کہ ہو کر مال و دولت رائیگاں
چند نا اہلوں میں ہوں مشہور فیاضِ زماں

نام روشن باپ دادا کا کریں لے لیکے قرض
بیچ بیچ اسلاف کا ترکہ رچائیں شادیاں

ایک مونڈیاں یا کہ بسم اللہ کی تقریب میں
ہوں بہت ممنون گر رکھ لے کوئی گروی مکاں

لیں نہ کچھ اُسکی خبر مفلس کوئی بھائی ہو گر
پر ہوں دسترخواں پہ دُنبے بھُنے حاضر میہماں

در سے خالی ہاتھ کوئی مانگنے والا نہ جائے
گو کہ فاقے سے ہوں ہمسایہ کے بچے نیم جاں

ساری یہ فیاضیاں نبھ سکتی تھیں یارو جبھی
قوم کے سر پر نہ تھا جب قوم کا بارِ گراں

اب عزیزو جُز رسی کا اور کفایت کا ہے وقت
ہے تمہارا میہماں لُوٹا ہوا اک کارواں

آج کل ہے بس یونہیں امداد کی محتاج قوم
قحط میں پانی کی بھُوکی جیسی یارو کھیتیاں

اغنیا غافل ہیں اور ماؤ شما سب تنگدست
پُونجیاں اوچھی ہیں اور درپیش ہے خرچِ گراں

ناتواں ہاتھوں سے اُس اُمت کی تھمنی ہے مہم
تھا کھِوَیّا جس کے بیڑے کا رسولِ انس و جاں

جس کی عزت در حقیقت عزتِ اسلام ہے
جس کی ذلت خود تمہاری ذلتوں کا نام ہے

چپ کی داد

(منقول از رسالہ "خاتون" بابت دسمبر ۱۹۰۵ء)

یہ اعلیٰ درجہ کی بے نظیر نظم جس میں نہایت سچی اور واقعی تعریف فرقہ نسواں کی اور صفات صبر و حیا اور مہر و وفا کی دلاویز طریقہ پر کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے مولانا نے ۱۹۰۵ء میں تصنیف کی تھی۔ بلحاظ اپنے اثر اور شہرت کے یہ نظم مولانا کی مقبول ترین نظموں میں سے ہے۔ مولانا کو خود بھی اس پر بہت بڑا فخر و ناز تھا۔ (خلیل)

پہلا بند

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو۔ دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھیں۔ قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں۔ شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں۔ دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن۔ تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس۔ جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں۔ ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمھاری ہے حیا۔ طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا۔ انساں عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے تھے جو ست بیٹھے اپنا آپ کا کھو
دنیا میں لے ستونتو۔ لے دے کے اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم۔ غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب۔ گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی۔ ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی۔ عسرت میں عشرت تم سے ہے

آئی ہو اکثر بے طلب۔ دنیا میں جب آئی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یہاں۔ گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

دوسرا بند

میکے میں سارے گھر کی تھیں۔ گو مالک و مختار تم — پر سارے کنبے کی رہیں۔ بچپن سے خدمتگار تم
ماں باپ کے حکموں پہ پتلی کی طرح پھرتی رہیں — غمخوار یا پونکی رہیں۔ ماؤں کی تابعدار تم
دن بھر پکانا۔ ریندھنا۔ سینا۔ پرونا۔ ٹانکنا — بیٹھیں نہ گھر پر باپ کے۔ خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اٹھ اٹھ کے لی — بچہ کوئی سوتے میں رویا۔ اور ہوئیں بیدار تم
سسرال میں پہنچیں تو واں۔ اک دوسرا دیکھا جہاں — جا اتریں گویا دیس سے پردیس میں اک بار تم
واں فکر بھی ہر دم یہی۔ ناخوش نہ ہو تم سے کوئی — اپنے سے رنجش کے کبھی پاؤ نہ واں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر۔ سسرے کا دل میلا نہ ہو — آنکھوں میں ساس اور نند کی کھٹکو نہ مثل خار تم
پالا بڑوں سے گر پڑے۔ بدخو ہوں سب چھوٹے بڑے — چتون پہ میل آنے نہ دو۔ گو دل میں ہو بیزار تم

غم کو غلط کرتی رہو۔ سسرال میں ہنس بول کر
شربت کے گھونٹوں کی طرح پیتی رہو خونِ جگر

تیسرا بند

شادی کے بعد ایک ایک کو تھی آرزو اولاد کی — تم پھنس گئیں جنجال میں۔ خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دکھ تم نے سہے۔ جاپے کی جھیلیں سختیاں — جب موت کا جھکھاڑا تب تم کو یہ دولت ملی
میکے میں اور سسرال میں۔ سب کے ہوئے دل باغ باغ — گھر میں اجالا تو ہوا۔ پر تم پہ بیتا پڑ گئی
کھانا۔ پہننا۔ اوڑھنا۔ اپنا گئیں سب بھول تم — بچوں کے دھندے میں تھیں۔ اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
تب تک بھی کچھ خیر تھی۔ جب تک بھلے چنگے تھے سب — پر سامنا آفت کا تھا۔ گر ہو گیا ماندہ کوئی
سولی پہ دن کٹنے لگے۔ راتوں کی نیندیں اڑ گئیں — اک اک برس کی ہو گئی۔ اک ایک پل۔ اک اک گھڑی
بچوں کی سیوا میں تمہیں۔ گزرے ہیں جیسے سو برس — قدر اسکی جانے گا وہی۔ دم پر بنی ہو جسکے بنی

کی ہی مہم جو تم نے سر۔ مردوں کو اُسکی کیا خبر — جلنے پرائی پیڑ وہ جسکی بوائی ہو پھٹی
تھا پالنا اولاد کا مردوں کی [illegible] سے سوا — آخر یہ لے دکھیا دیو اخدمت تمہارے سر پڑی

پیدا اگر ہوتیں نہ تم۔ بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اُٹھتے دو دن میں۔ اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

چوتھا بند

لیتیں خبر اولاد کی۔ مائیں گر چھٹپن میں یہاں — خالی کبھی کا نسل سے آدمؑ کی ہو جاتا جہاں
یہ گوشت کا اک لوتھڑا۔ پروان چڑھتا کسطرح؟ — چھاتی سے لپٹائے ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں
وہ دین اور دنیا کے مصلح۔ جنکے وعظ اور پند سے — ظلمت میں باطل کی ہوا۔ دنیا میں نورِ حق عیاں
وہ علم اور حکمت کے بانی۔ جنکی تحقیقات سے — ظاہر ہوئے عالم میں اسرار زمین و آسماں
وہ شاہِ کشور گیر اسکندر۔ کہ جسکی دھاک سے — تھے بید کی مانند لرزاں۔ تاجدارانِ جہاں
وہ فخر شاہانِ عجم۔ کسریٰ۔ کہ جس کے عدل کی — مشرق سے تا مغرب بانو شیرہی جاری داستاں
کیا پھول پھل یہ سب۔ اُنہیں کے زیر دودھ کے نہ تھے؟ — سینچا تھا ماؤں نے جنہیں۔ خونِ جگر سے اپنے یاں
کیا صوفیانِ باصفا۔ کیا عارفانِ باخدا — کیا انبیا۔ کیا اولیا۔ کیا غوث۔ کیا قطبِ زماں

سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے
وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں اوپر چڑھے

پانچواں بند

افسوس! دنیا میں بہت تم پر ہوئے جور و جفا — حق تلفیاں تم نے سہیں۔ بے جبریاں جھیلیں سدا
اکثر تمہارے قتل پہ۔ تو سونٹی باندھی ہے مگر — دیں تا کہ تم کو یک قلم۔ خود لوحِ ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم مدتوں۔ مٹی میں جیتی جاگتی — حامی تمہارا تھا نہ یاور کوئی جز ذاتِ خدا

زندہ سدا جلتی رہیں۔ تم مُردہ خاوندوں کے ساتھ
اور چین سے عالم رہا۔ یہ سب تماشے دیکھتا

بیاہی گئیں اُس وقت تم۔ جب بیاہ سے واقف نہ تھیں
جو عمر بھر کا عہد تھا۔ وہ کچے دھاگے سے بندھا

بیاہا تمھیں ماں باپ نے۔ اے بے زبانو اس طرح
جیسے کسی تقصیر پر مجرم کو دیتے ہیں سزا

گزری اُمید و بیم میں۔ جب تک رہا باقی سہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر چین قسمت میں نہ تھا

تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں۔ پر لیگاں
کیں تم نے جانیں تک فدا۔ کہلائیں لیکن بے وفا

گو صبر کا اپنے نہ کچھ۔ تم کو ملا انعام یہاں
پر جو فرشتے سے نہ ہو۔ وہ کر گئیں تم کام یہاں

چھٹا بند

کی تم نے اس دارالمحن میں جس تحمل سے گذر
زیبا ہے گر کہیے تمھیں۔ فخرِ بنی نوعِ بشر

جو سنگدل سفاک۔ پیاسے تھے تمھارے خون کے
اُن کی تو ہیں بے رحمیاں مشہورِ عالم میں مگر

تم نے تو جن اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اس میں یا پدر۔ یا ہو برادر یا پسر

الفت تمھاری کر گئی گھر دل میں جن بے دید کے
وہ بدگماں تم سے رہا۔ اے بے نصیبو عمر بھر

گو نیک مرد اکثر تمھارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہوں یا بد ہے سب متفق اس رائے پر

جب تک جیو۔ تم علم و دانش سے رہو محروم یاں
آئی ہو جیسی بے خبر۔ ویسی ہی جاؤ بے خبر

تم اس طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رہو
ہو تم کو دنیا کی۔ نہ دنیا کو تمھاری ہو خبر

جو علم مردوں کے لیے۔ سمجھا گیا آبِ حیات
ٹھیرا تمھارے حق میں وہ زہر ہلاہل سربسر

آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب
دُنیا کو دینا ہوگا۔ اِن حق تلفیوں کا واں جواب

ساتواں بند

گذرے تھے جُگ تم پر کہ ہمدردی نہ تھی تم سے کہیں — تھا منحرف تم سے فلک۔ برگشتہ تھی تم سے زمیں
دنیا کے دانا اور حکیم۔ اس خوف سے لرزاں تھے سب — تم پر مبادا علم کی پڑ جائے پرچھائیں کہیں
ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق — تعلیم پا کر آدمی بننا تمھیں زیبا نہیں
یہاں تک تمھاری ہجو کے گائے گئے دنیا میں راگ — تم کو بھی دُنیا کی کہن کا آگیا آخر یقیں
علم و ہُنر سے رفتہ رفتہ ہو گئیں مایوس تم — سمجھا لیا دل کو کہ ہم۔ خود علم کے قابل نہیں
جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کیلئے — وہ ذلتیں سب نفس پر۔ اپنے گوارا تم نے کیں
سمجھا نہ تم کو ایک دن۔ مردوں نے قابل بات کے — تم بیویاں کہلائیں۔ لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
آخر تمھاری چُپ دو تیں ہاں دل کے چُبھ گئی — سچ ہے کہ چُپ کی داد آخر بے ملے رہتی نہیں

یارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں
آیا تمھارے صبر پہ دریائے رحمت جوش میں

آٹھواں بند

نوبت تمھاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے — انصاف نے دُھندلی سی ایک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہیں تمھارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا — پر جل ہر اک مشکل یوں ہی۔ دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سچائی کے سدا — پر فتح جب پائی۔ سچائی ہی نے آخر پائی ہے

خطاب بہ حامیان تعلیم نسواں

اے بے زبانوں کی زبانو بے بسوں کے بازوؤ — تعلیم نسواں کی مہم۔ جو تم کو اب پیش آئی ہے
یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے۔ جن قوموں کو پیش — منزل پہ گاڑی اُنکی۔ استقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت۔ اگر دل میں نہیں عزم درست — یہ ٹھان لی جب جی میں پھر۔ پربت بھی تو رائی ہے
یہ جیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمھاری پشت پر — جو حق پہ منہ آیا ہے آخر۔ اُس نے منہ کی کھائی ہے

حصّۂ چہارم

مرثیہ جات

مرثیہ ملکۂ معظمہ

(منقول از رسالہ معارف جلد ۴ نمبر ۱ بابت جنوری سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

سنہ ۱۹۰۱ء میں حضور ملکہ معظمہ والی انگلستان و شہنشاہ ہندوستان کی وفات کے موقع پر مولانا نے یہ مرثیہ لکھا تھا۔ اس میں علاوہ اُن ترقیوں کے جو حضور ممدوحہ کے عہد حکومت میں انگلش قوم کو ملکی فتوحات، صنعت و تجارت، علوم و فنون، بحری و بری طاقت میں نصیب ہوئیں اور علاوہ اُن برکتوں کے جو اُس زمانہ میں مسلمانان ہندوستان کو حاصل ہوئیں اور جن کے سبب سے وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر تعلیم کی طرف مائل ہوئے مولانا نے اُن خوبیوں اور نیکیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو حضور ممدوحہ کی ذات میں خصوصیت کے ساتھ موجود تھیں اور جن کے سبب سے وہ صرف اپنی ہی قوم میں ہر دلعزیز نہ تھیں بلکہ تمام رعیت اُن سے دلی محبت رکھتی تھی اُن خوبیوں اور نیکیوں کے نتائج بیان کرنے میں مولانا نے اُس مشہور اور فصیح و بلیغ وعظ کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دری پہاڑی پر فرمایا تھا اور جو متی کی انجیل میں موجود ہے (اسماعیل)

بند اول

شاہ ہوں یا ہوں گدا، محکوم ہوں یا حکمراں ... وہ نہیں مرتے کبھی جیتے ہیں جن کی نیکیاں

جاگتا ہی اُن کا تا روزِ قیامت نامِ نیک — گو کہ ہیں وہ بے خبر سوتے لحد کے درمیاں
چُپ ہیں۔ پر ہی بحر و بر میں پڑ رہی ہی اُنکی پکار — گُم ہیں لیکن چپّہ چپّہ پر ہیں ثبت اُنکے نشاں
یاں رہے جب تک رہے ایسے مرنجانِ مرنج — غیر سمجھے اُن کو اپنا۔ اور دشمن مہرباں
اور چلے جس وقت دُنیا سے۔ گئے دنیا میں چھوڑ — خوبیوں کی اپنی۔ ایکاک زباں پر داستاں
اُن کا جینا کیسی نعمت ہو گی دنیا کے لیے؟ — جن کا مرنا اُن کے حق میں ہی حیاتِ جاوداں
زندگی سے اُنکی ہرگز جی نہیں بھرتی نہیں — پائیں گر بالفرض۔ عُمرِ نوحؑ بھی آکر یہاں
وقتِ رحلت یوں ترستی اُن کو ہی جاتی ہی خلق — ایک بجلی سی چمک کر ہو گئی گویا نہاں
جن کی ایسی زندگی۔ اور جنکی ایسی موت ہو — اُن کا اُٹھ جانا ہی بدبختی کا دنیا کی نشاں
آج گھر گھر ہی وہی ماتم۔ جہاں میں جس سے ہی — زلزلہ میں کینیڈا سے لے کے تا ہندوستاں

اے کوئین وکٹوریا! تجھ کو کیا آئی اجل
لچھمی[۵۱] دنیا کے ہاتھوں سے گئی گویا نکل

بند دوم

ہی تری نیکی سے اُمید۔ اے زمیں کی بادشاہ — آسمانی[۵۲] بادشاہت میں خدا دے تجھ کو جا
کر لیے تھے سب یگانوں اور بیگانوں کے دل — نیکیوں سے تو نے اپنی فتح اے وکٹوریا[۵۳]
ہی دلیل اُس کے لیے کافی فقط تیری مثال — مرد پر عورت۔ فضیلت کا کرے گر ادّعا
کیجئے اقبالمندی پر اگر تیری نظر — سامنے تیرے ہیں جچتا کوئی کشور کُشا
مرتبہ ہی جو کہ سرحد سے تصوّر کی پرے — قوم کو واں تک ترے اقبال نے پہنچا دیا

---

۵۱ لچھمی ہندوؤں میں دولت کی دیوی کا نام ہی ۵۲ بائبل کی زبان میں آسمان کی بادشاہت سے وہی معنی مراد ہیں جنکو قرآن مجید میں جنت و فردوس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہی ۵۳ وکٹوریہ کے معنی لغت میں فتحمند کے ہیں۔

۲۳۸۷

کی تجارت نے ترقی عہد میں یاں تک ترے — سلطنت ہو اُسکے آگے ہیچ بے چون و چرا
جس قدر علمی فتوحات اس زمانہ میں ہوئیں — دہر کی تاریخ میں ملتا نہیں اُن کا پتا
علم میں روزِ ازل سے تھی جو اک طاقت نہاں — صباحی[51] میں تیری۔ یہ راز آشکارا ہو گیا
ہو گئے ہر بحرِ اعظم میں ترے برپا علم — تیرے بیڑوں اور جہازوں سے سمندر پٹ گیا
شاعروں کے جس قدر مدح سلف میں تھے غلو[52] — حق میں تیرے۔ وہ حقائق بن گئے سر تا بپا

تھی خبر کس کو؟ ہوا اک خردل[53] کا پیڑ اتنا بڑا
جس کی شاخوں پر کریں بسرام مرغانِ ہوا

بند سوم

دستِ قدرت نے بنایا گو کہ تھا عورت تجھے — پر جواں مردوں پہ بھی عالم کے فوقیت تجھے
سچ ہی[54] "وہ وارث زمیں کے ہونگے جو ہونگے حلیم" — حلم سے اپنے۔ ملی آفاق میں مکنت سبھے
"وہ تسلی[55] پائیں گے دُنیا میں جو جھیلیں گے غم" — ہو چکے غم۔ بس تسلی دیگی اب راحت تجھے
تو مبارک تھی کہ تجھ کو صلح تھی دل سے پسند — دے[56] گا فرزندی کا اب یعنی خدا خلعت تجھے

---

[51] صباحی سے مراد سلطنت یا حکومت ۱۲ [52] حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں "آسمان کی بادشاہت ایک خردل کے دانہ کی برابر ہے جسے ایک شخص نے لیکر اپنے کھیت میں بویا وہ سب بیجوں میں چھوٹا تھا پر جب وہ اُگا تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوا اور ایسا درخت ہوا کہ ہوا کی چڑیاں آ کر اُسکی ڈالیوں پر بسیرا کریں (انجیل متی باب ۱۳) اس شعر میں ملکہ معظمہ کے بچپن کی طرف اشارہ ہے جبکہ اُنکی نسبت کسی کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ تخت انگلستان کی وارث ہونگی اور اُنکی سلطنت اسقدر ترقی کریگی [53] حضرت عیسیٰؑ اپنے پہاڑی وعظ میں فرماتے ہیں "مبارک وے جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہونگے" (متی باب ۵) [54] اسی پہاڑی وعظ میں آتا ہے "مبارک وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔
[55] حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں "مبارک وہ جو صلح کرنے والے ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائیں گے ۱۲

تو مبارک تھی کہ تھا پہلو میں تیرے پاک دل[1] ہو مبارک خلد میں دیدار کی نعمت تجھے
ملک میں اک نور تھی تو۔ جیسے دیوٹ پر چراغ[2] دیکھ کر ہوتا تھا روشن ۔ ملک اور ملت تجھے
تو نمک تھی سربسر گویا زمیں کے واسطے[3] ملک کا مصلح تصوّر کرتی تھی خلقت تجھے
دشمنوں پر مہرباں تھی تو۔ بڑوں سے تھی بھلی حق نے دی اپنی خلافت کی تھی اہلیت تجھے
تجھ سے غیروں کو محبت تھی۔ جو تھا اپنوں کو فخر غیر اور اپنے کریں گے یاد تا مدت تجھے
برکتیں دنیا میں پھیلیں۔ تیرے دم سے جس طرح بس یونہی کنج لحد میں دے خدا برکت تجھے

فرد تھی اقبال میں تو۔ بے نظیر اخلاق میں
تیرے مرنے سے ہے سناٹا سا آفاق میں

بند چہارم

ہو گیا برٹن تو تیرے عہد دولت میں نہال ہم پہ بھی کچھ کم نہیں برسا ترا ابر نوال
شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا وہ نہیں لاتے بجا شکر خدائے ذوالجلال
ہند نے پایا ترے دور حکومت میں وہ امن اگلے دوروں میں نہ تھا جس کا کہیں خواب خیال
لی گئی قحط اور وبا میں ملک کی جو یاں خبر تھا زمانہ تیرا اس میں آپ ہی اپنی مثال
شکر آزادی کا تیرے عہد کی ممکن نہیں سب کا اس احسان میں جکڑا ہوا ہے بال بال

ف۱ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں "مبارک وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے" (متی باب ۵) ف۲ حضرت عیسیٰؑ پہاڑی وعظ میں اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہیں "تم دنیا کے نور ہو اور چراغ روشن کرکے نیچے نہیں رکھتے بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تب اُن سب کو جو گھر میں ہیں چراغ روشنی دیتا ہے اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھیں اور تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے ستائش کریں" (متی باب ۵)

ف۳ "تم زمین کے نمک ہو" (متی باب ۵) یعنی تم دنیا کی اصلاح کرنے والے

ہم سمجھ لیتے ۔ کہ ہیں ہر قید سے آزاد ہم ۔۔۔ قیدِ احساں سے ترے چھٹنے کی گر ہوتی مجال

گرچہ ممکن ہی کہ تیرے عہدِ دولت مہد میں ۔۔۔ ہوں رعیت میں تری کچھ لوگ زار و خستہ حال

پر خدا کی سلطنت میں بھی یہی ہی حالِ خلق ۔۔۔ یاں خوشی ہی واں مصیبت ۔ واں سماں ہی یاں کمال

گو کوئی قانونِ قدرت ۔ خالی از حکمت نہیں ۔۔۔ پر نہیں اس ایک کو جو ایک کے ہی حسبِ حال

ہوں قوانینِ الٰہی یا قوانینِ بشر ۔۔۔ ہی برابر سب کا راضی اور خوش رہنا محال

الغرض اِس سے سوا خوبی نہ تھی امکان میں

کر گئی تو راج جس خوبی سے ہندوستان میں

بند پنجم

خود ہمارے حال سے لے عازمِ دار القرار ۔۔۔ برکتیں عہدِ ہمایوں کی ہیں تیرے آشکار

ہم پڑے سوتے تھے غافل ایسی گہری نیند میں ۔۔۔ جاگنے کا تھا نہ گویا قصد تا روزِ شمار

جہل و نادانی سے تھی نوبت گئی یہاں تک پہنچ ۔۔۔ ہو گئے تھے خود وطن پر اپنے ہم گویا کہ بار

پر جگا کر چھوڑا بانگِ طبلِ شاہی نے ہمیں ۔۔۔ ایسی ڈالی ملک میں ہر سو ترقی کی پکار

سُن کے اُٹھ بیٹھے صدائے طبل ۔ جو تھے تیز ہوش ۔۔۔ سر سے اُترا نیند کا صدیوں کی وہ آخر خمار

قوم میں ڈالی بِنا تعلیم کی ۔ جس کے بغیر ۔۔۔ کھو چکے تھے اپنا ہم ہندوستان میں اعتبار

ہی علیگڈھ میں ہماری ۔ یہ جو قومی درسگاہ ۔۔۔ ہی حقیقت میں یہ تیرے نام کی اک یادگار

اِس کی رسمِ فونڈیشن[1] اور جشنِ قیصری ۔۔۔ دونوں تقریبیں ہوئی ہیں ایک ہی وقت آشکار

نیو رکھنے[2] اُسکی یہاں آیا ترا قائم مقام ۔۔۔ تو نے[3] خود اُس کو کتابیں بھیجکر بخشا وقار

---

[1] محمڈن کالج علیگڈھ کی فونڈیشن کی رسم ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو اور دربارِ قیصری یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ہوا تھا ۱۲

[2] کالج کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن وایسرائے ہندوستان نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا [3] حضور ملکہ معظمہ نے چند کتابیں جنکی جلدیں طلائی اور جنکی چھپائی نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اپنے دستخطِ خاص ثبت فرما کر کالج کو مرحمت کی تھیں ۱۲

جب تلک قائم ہی کالج جب تلک باقی ہی قوم — یہ شہنشاہی عطیہ۔ یاں رہے گا یادگار

ہی یقیں۔ کالج کو پھلتا پھولتا دیکھیں گے ہم
جانشیں تیرا۔ قدم پر تیرے رکھیگا قدم

بند ششم

ہی اب اے اڈورڈ ہفتم اُس کا تو نعم البدل — سایۂ شفقت گیا ہی جو ہمارے سر سے ٹل
ہی رگوں میں تیری خوں اڈورڈ اور البرٹ کا — ہوں گے عقدے ملک کے۔ تدبیر سے تیری حل
ہو نہ نگ آ مبر میں جسکی اور جڑ پتال میں — ہونگے پھول اُس نخل کے کیسے مبارک اور پھل؟
ہی لطافت تجھ میں ماں کی۔ اور حلاوت باپ کی — تیری گھٹی میں پڑا ہے شربت شیر و عسل
باپ کی بھی تجھ کو کہہ سکتے ہیں ماں کی بھی مثال — جیسے کہہ سکتے ہیں جل کو امرت۔ اور امرت کو جل
تم نے پھیلائی ہی اور پھیلاؤ گے نیکی سدا — ہیں گھرانے کی تمہارے نیکیاں ضرب المثل
ہو غلو اس میں تو شاید اے برنزک خاندان — گا سیل کا کہیے گر تم کو نمونہ فی المثل
جو محبت سے تمہاری۔ یاں ہمیں کی ہیں سر — وہ نہیں کر سکتے سر۔ میداں میں فوجوں کے دل
جس عقیدت کا گیا تھا۔ ہند میں تو بیج بو — اب ملا ہی ملک کو اظہار کا اُس کے محل
ہی دعا حق سے کہ جب تک عدل سے قائم ہیں ملک — تیری شاہی اور شہنشاہی رہے یا رب اٹل

ملک ہر آفت سے تیرے عہد میں مامون رہے
دبدبہ بیٹے کا۔ ماں کی طرح روز افزوں رہے

نوحۂ قیصرۂ ہند

(منقول از رسالہ "معارف" جلد ۴ نمبر ۱ بابت جنوری ۱۹۰۱ء)

یہ نوحہ مولانا نے اپنے عزیز دوست حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی کی فرمائش سے لکھا تھا اور یہ حافظ صاحب ہی کے نام سے رسالہ معارف میں چھپا تھا میرے دریافت کرنے پر حافظ صاحب موصوف نے خود فرمایا کہ یہ نوحہ میری تصنیف نہیں بلکہ مولانا نے مرحوم نے میری فرمائش پر میرے لیے لکھا اور میرے ہی نام سے شائع ہوا تھا (اسمٰعیل)

ہند پر شاق ہے اے قیصرہ رحلت تیری
تھی رعیت کے لیے موت قیامت تیری

کر لیا تھا تری سیرت نے دلوں کو تسخیر
گو کہ دیکھی تھی نہ ہم نے کبھی صورت تیری

نام اخلاق میں اتنا ہی ترا تھا روشن
جتنی تھی دولت و اقبال میں شہرت تیری

قدر نعمت کی سدا ہوتی ہے یاں بعد زوال
ہوئی معلوم ترے مرنے سے عظمت تیری

ہے خبر تجھ کو بھی اے قبر میں سونے والی!
یاد کرتی ہے بہت تجھ کو رعیت تیری

امن سے کھول ترقی کے نئے در وا تُو نے
ملک سب ہو گیا گلزار بدولت تیری

جانشینی تجھے راس آئی تھی جس طرح
تیرے فرزند کو راس آئے خلافت تیری

شاہ اڈورڈ کا عالم یونہیں محکوم رہے
جیسے عالم کے دلوں پر تھی حکومت تیری

عہد میں اس کے رہے فتنوں سے محفوظ جہاں
جیسے محفوظ تھی فتنوں سے حکومت تیری

مرثیہ محسن الملک

(منقول از "علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" جلد ۸ نمبر ۱ مورخہ ۴ جنوری ۱۹۰۸ء)

۱۹۰۷ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اکیسواں اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ مولانا اُس سال کانفرنس کے صدر بنائے گئے تھے آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں جو ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء ......کو دیا تھا یہ قطعہ پڑھا تھا۔ اسماعیل)

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر
یاروں پہ مصیبت کا سماں چھا گیا آخر

وہ ملک کا محسن وہ مسلمانوں کا غمخوار
سر کرکے مہم۔ قوم کے کام آگیا آخر

سید کا یہ دل قوم کو مشکل سے ملا تھا
اُس کو بھی وہی قوم کا غم کھا گیا آخر

رہنا تھا یہ بس قوم کی تقدیر میں بیکس
لکھا ہوا تقدیر کا پیش آگیا آخر

نکبت کا پتہ ڈھونڈتا پھرتا تھا مقدر
نکبت کا مقدر کو پتہ پا گیا آخر

جیتا تھا تو لوگوں کو گماں اُس پہ تھے کیا کیا
پر مر کے خلوص اپنا وہ منوا گیا آخر

جو خندہ زنی کرتے تھے ہر کام پہ اُسکے
وہ خون کے آنسو اُنھیں رُلوا گیا آخر

"یوں جیتے ہیں۔ یوں مرتے ہیں قوموں کے فدائی"
دُنیا کو تماشا یہ وہ دکھلا گیا آخر

مہدی کے لیے قوم عزادار ہے ساری
کہرام ہے کشمیر سے تا راس کماری

سرسید کے دو رفیق

(منقول از رسالہ "مخزن" جلد ۱۰ نمبرہ بابت فروری ۱۹۰۵ء)

یہ خان بہادر برکت علی خاں اور سید زین العابدین کا مرثیہ ہے جو سرسید کے بڑے حامی اور رفیق تھے اور جنہوں نے آگے پیچھے ۱۹۰۵ء میں وفات پائی

حیف دنیا سے کیا برکت علیخاں نے سفر — جس سفر سے ہے جوانوں کو نہ بوڑھوں کو مفر
جس کی جانب سے ہے جو کہ گدا ہو یا کہ شاہ — گھات میں ہے جو ہر اک جاندار کی شام و سحر
پر مبارک ہے سفر اُن کا، کہ جو پیش از رحیل — کر گئے لاکھوں و لونہیں نیکیوں سے اپنے گھر
فیض پہنچاتے رہے یوں اپنے بیگانے کو وہ — رہگذر پر میوہ افشاں جیسے نخلِ باردر
ہیں وہی انسان جو آتے ہیں ہم جنسوں کے کام — ورنہ ہیں انساں سے سو بار بہتر جانور
ہیں یہی وہ لوگ۔ جو جیتے ہیں اوروں کے لیے — کھاتے ہیں خود زخم۔ پر اوروں کو دیتے ہیں ثمر
ہیں جماعت کے یہی دنیا میں وہ فردِ فرید — جو کہ مر کر توڑ جاتے ہیں جماعت کی کمر
ہیں امیدیں قوم کی وابستہ اُن کی ذات سے — اُن کا ماتم "قوم کا ماتم" ہے قصہ مختصر
کوششیں برکت علیخاں کی رہینگی یادگار — جو فلاحِ قوم میں اُس سے ہوئی ہیں جلوہ گر
پھر نہ کھولی ایک دم جبتک کہ دم میں دم رہا — قوم کی خدمت پہ جب سے اُس نے باندھی تھی کمر
گو کہ ضعف و ناتوانی نے بہت کھینچے پاؤں — کر کے چھوڑی اُس نے لیکن جو مہم کرنی تھی سر
اُس کو مشتِ استخواں لیکر پہنچنا تھا ضرور — جب کسی تقریب قومی کی اُسے پہنچے خبر
قوم کی خدمت کا جو سید سے سیکھا تھا سبق — وہ سبق مرحوم نے بھولا نہ ہرگز عمر بھر
اسکی دل سوزی جہاں چھپ چھپ کے جاتی تھی کلام — واں فصیحوں کی فصاحت تھی سراسر بے اثر
روحِ قومیت کی اُس نے پھونک دی پنجاب میں — ہو گئے اپنے پرائے مل کے سب شیر و شکر
جو اثر رکھتا ہے گھر والوں پہ اک گھر کا بزرگ — قوم پر پنجاب میں اُس کا وہی دیکھا اثر

اُس کے کاموں میں نمایش تھی نہ باتوں میں نمود | راستبازی کی تھی اک تصویر گویا سر بسر

کو دپڑنا آگ میں اوروں کی۔ تھا اُس کا شعار | مشکلوں میں سب کی ہو جاتا تھا وہ سینہ سپر

مٹ گئی افسوس عالی ہمتی کی وہ مثال | پیر و برنا میں نظیر۔ آتی نہیں جس کی نظر

اہل ہمت چاہییں یہاں گو ہوں پیر ناتواں | ہیں جواں کس کام کے ہمت نہیں اُن میں اگر

ایسے مالی اور کمیرے گر نہ ہوتے دستیاب | پود سیّد کی نہ ہوتی تا قیامت بارور

دست و بازو تھے یہی۔ اِس جاں نثار قوم کے | جن کی سرگرمی سے لائیں کوششیں اسکی ثمر

ورنہ تھی چھائی ہوئی بیڑے پہ سرسیّد کے یاس | رات اندھیری۔ وقت بھیانک اور دریا پر خطر

سر بسر موجیں ڈرانی اور ہوا ناساز گار | ساحلِ مقصود دُور۔ اور راہ میں حائل بھنور

ان عزیزوں نے دیا اُس وقت سرسیّد کا ساتھ | جبکہ پرچھائیں سے اُسکی قوم کرتی تھی حذر

حیف یہ طبقہ ہوا اب یاں کوئی دن کا میہماں | بیٹھے ہیں باندھے کمر تیار سب بہرِ سفر

دوست تھے سیّد کے جو مانند اعضائے بدن | وہ مرقع مٹنے والا ہے عزیزو سر بسر

ایک کا ماتم ابھی ہونے نہ پایا تھا تمام | ناگہاں اک دوسری پہنچی مصیبت کی خبر

بعد اس ماتم کے زین العابدین خاں کی وفات | وہ اگر داغِ جگر تھا تو یہ ہے داغِ دگر

روئیے پہلے کو۔ یا پچھلے کا ماتم کیجئے | ایک سے ہے ایک حالی حادثہ جانکاہ تر

ہائے وہ سیّد کا عاشق اور رفیقِ غمگسار | ساتھ سیّد کا نچھوڑا جس نے ہرگز عمر بھر

کوئی چیز اُس نے کبھی رکھی نہ سیّد سے عزیز | بے تکلف اُس کا گھر گویا کہ تھا سیّد کا گھر

کی علیگڈھ میں سکونت اسکی خاطر اختیار | سب وطن اور رشتہ داری کے تعلق توڑ کر

آغوشِ پہلو میں سیّد کے کیا اُس نے مقام | جب کیا مہماں سرائے دارِ فانی سے سفر

زندگی میں جس طرح چھوڑا نہ اُس کا اس نے ساتھ | بعدِ مُردن بھی ہے دونو رفیق ہمد گر

دیکھتے آئے کاش اِن بوڑھوں کی یاد آنے کا رنگ | وہ جواں۔ جو طعنہ زن بوڑھوں کے ہیں اخلاق پر

رنجشیں اُلفت بھری شکوے سراسر مہر خیز — چھیڑ لطف انگیز خفگی اُس سے لطف انگیز تر

رائے ہر اک کی جدا تیل اور پانی کی طرح — متحد لیکن مقاصد صورتِ شیر و شکر

رہ گئے ہیں چند فرد اِن صحبتوں کی یادگار — ہیں مگر بجھنے کو سب مثلِ چراغانِ سحر

ملیگی حالی بس اب غالب سے پسماندوں کی خبر
سوگ میں اگلوں کے کب تک دلِ حزین و چشمِ تر
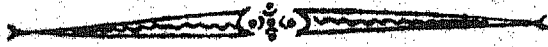
حصۂ پنجم

قطعات

ترغیب امداد یتیماں

(منقول از رسالہ "علیگڈھ منتھلی")

یہ قطعہ مولانا نے "انجمن مؤید الاسلام" دہلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی
"اے غافلو - اے بے خبرو - ہوش میں آؤ

فارغ غمِ اُمت سے - اور اسلام کا دعوٰی
دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ

گو دین کی صورت ہے - یہ سیرت نہیں اُسکی
یہ دین ہے یا دین کا ہے سانگ - بتاؤ ؟

مقبول نہ حج ہیں - نہ نمازیں ہیں - نہ روزے
جب تک غمِ اُمت میں نہ جان اپنی گھلاؤ

دعوٰی نہیں مسموع - شہادت ہو جب تک
ہے دین کا دعوٰی - تو شہادت کوئی لاؤ

گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے
تو دین سے تم قطع تعلق کرو - جاؤ

اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دُکھائے
دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھڑے کے دُکھاؤ

دُنیا میں جراحت - یہی عقبیٰ میں ہے راحت
کل پھل کوئی کھانا ہے تو زخم آج اُٹھاؤ

یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس
یہ تو وہ ہے میری لسے دیکھو - نہ گنواؤ

شیریں ہے پھل اِن پودوں کا اور سایہ ہے گھن گا
سیوا کرو ان کی - انہیں پروان چڑھاؤ

دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے
اِن گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں اُنہیں پاؤ

سنولائے ہوئے چہروں میں نور انکے ہے تاباں
اِن کوئلوں کو ہیرے - جلا دے کے بناؤ

ہیں اِن میں فقیہہ - اِن میں حکیم - اِن میں محدث
اِن کی بُری حالت پہ - بُری گت یہ نہ جاؤ

جو اِن میں ہیں جوہر۔ کہیں زنگ اُن کو نہ کھا جائے
گُن دیکھتے ہیں ان کے تو زنگ ان کا چھٹاؤ

افواجِ مخالف ہیں تگ و دو میں جیت راس
رُندجائیں نہ یہ۔ خاک سے جلد ان کو اُٹھاؤ

پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں اُنکے شکاری
اِن پنچھیوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اے یارو یہ بے غیرتی اور دین کا دعویٰ
دین داری کا اور دین کا بس منہ نہ چڑاؤ

اُمت کے یتیموں کو ہو انجیل کی تعلیم
اور اپنی تم اولاد کو قرآن پڑھاؤ

تثلیث کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین
اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ

گر جائیں حریف اِن کو سکھائیں میری توہین
اور کان نہ توہین پہ تم میری ہلاؤ

جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیئے رکھنا
ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام اُن کو بناؤ

کھانے کی بھی۔ کپڑے کی بھی۔ لیں انکی خبر غیر
اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ اُن سے ملاؤ

اپنا تمھیں وہ جان کے گر راہ میں ٹھٹکیں
تم غیروں کی مانند گزر پاس سے جاؤ

اسلامیو! اب بے مہریاں آخر یہ کہاں تک
جو سنہ کو تمہارے تکیں آنکھ اُن سے چراؤ

بے کس نہ گنو اِن کو۔ یہ کنبا ہی خدا کا
تم پھیر کے منہ اِن سے۔ خدا کو نہ رُٹھاؤ

عبرت کی جگہ ہے۔ ڈرو گردش سے فلک کی
اولاد کو اپنی نظرِ بد سے بچاؤ

بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر
غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ

اُمت میں ہو تم اُس کی جو اُمت پہ فدا تھا
تو تم بھی عزیزو! اُسی اُمت سے لگاؤ

وہ جیسا غریبوں کا۔ یتیموں کا تھا عاشق
تم بھی اُنہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ

جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اُس کا
اخلاق میں کچھ اُس کی جھلک تم بھی دکھاؤ

کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی
جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی کڑھاؤ

ٹوٹے ہوئے دل ہیں یہ گذرگاہ خدا کی
ملنا ہے خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ"

مدت سے یہ تھا شے رہا اسلام دہائی
اور کہتی تھی غفلت "نہ ادھر کان لگاؤ"

بارے سُنی احباب نے اسلام کی آواز ۔۔۔ اور مل کے کیا عہد کہ کچھ کر کے دکھاؤ
جو خفتۂ غفلت میں ہیں جھوڑ اُن کو جھنجوڑو ۔۔۔ اور نیند کے متوالے ہیں جو۔ اُن کو جگاؤ
بھولے ہوئے جو رونے نمازوں پہ ہیں اپنے ۔۔۔ اسلام کی فریاد انہیں چل کے سُناؤ
قبل اس کے کہ حج کا کریں کعبہ کے ارادہ ۔۔۔ حج ہند میں جو اُن پہ ہے فرض ان کو جتاؤ
بن باپ کے بچوں سے ہیں ٹوٹے ہوئے جو دل ۔۔۔ کعبہ کی طرح گرد طواف ان کے کراؤ
امداد پہ اُن کی۔ کرو کُل قوم کو مجبور ۔۔۔ دل دُکھے اگر اس میں کسی کا تو دُکھاؤ
قائم کرو ایک انجمن اخوانِ صفا کی ۔۔۔ اور بیڑا یتیموں کی حمایت کا اُٹھاؤ

صد شکر۔ ہوئیں کوششیں احباب کی مشکور ۔۔۔ پھل دیکھنے نیت کے ہوں گر اُن کی تو آؤ
فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں ۔۔۔ دیکھو انہیں۔ اور بھائیوں کو جا کے سناؤ
باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار ۔۔۔ اِس شکر میں تم حمد خداوند کی گاؤ
اِس وقت۔ کہ نازک ہے بہت قوم پہ یہ وقت ۔۔۔ جو قوم کا غمخوار ہو جھُک اُس کی مناؤ
ہے چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی ۔۔۔ لو اُس کے قدم۔ خود غرضی جس میں نہ پاؤ
رحمت ہے خدا کی۔ یہ عزیزوں کی جماعت ۔۔۔ پر اس کی خوشی میں ابھی بغلیں نہ بجاؤ
دے قوم سہارا تو یہ ہے "نوحؑ کی کشتی" ۔۔۔ پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
سرچشمہ سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد ۔۔۔ دم بھر میں اُتر جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ
ہوتی ہے یہ۔ یاروں نے بھروسہ پہ تمہارے ۔۔۔ کیونکر چلے؟ جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ
ہیں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے ۔۔۔ تم اُس کے جہاں چاہو نشاں دیکھ لو جاؤ
یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی ۔۔۔ دو اُن کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے ہو کے ہراساں ۔۔۔ اِس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ
دو چار کے۔ دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام ۔۔۔ سر جوڑ کے اِس کام میں سب زور لگاؤ

گو کام ہے دشوار۔ یہ مردوں کو ہے آساں
کرنا ہے اگر اس کام کو پورا۔ کیے جاؤ

شہر حیدرآباد

[غیر مطبوعہ]

پانی دیتا ہے کوئی۔ پود لگاتا ہے کوئی — پھول چنتا ہے کوئی آ کے۔ کوئی برگ و ثمر
آ کے کرتا ہے چمن میں۔ کوئی آئین بندی — تا کہ ہو سیر چمن سے نہ کبھی سیر نظر
کرتے ہیں "علم نباتات" کی بعضے تحقیق — تا کہ تحقیق سے ہو ان کی فزوں علم بشر
الغرض باغ میں ہیں وارد و صادر جتنے — ایک سے ایک کی ہیں مختلف اغراض مگر
صحن گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی — جائے گا بوئے ریاحین سے معطر ہو کر
حیدرآباد بھی اک باغ ہے ماشاء اللہ — ہے جہاں فیض کا دروازہ کشادہ سب پر
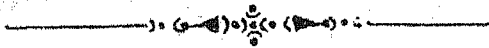
تہنیتِ مسند نشینی حضور نظام

(منقول از "روزانہ زمیندار" جلد ۲ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء)

۱۹۱۱ء میں جب اعلیٰحضرت نظام الملک آصفجاہ ہفتم میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہٗ تخت نشین ہوئے تو منجملہ دیگر اخبارات کے روزنامہ "زمیندار" لاہور نے بھی اس موقع پر اپنا ایک خاص نمبر نکالا تھا اور اس خاص نمبر کے لیے مولانا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی مسند نشینی کے متعلق لکھنے کی فرمایش کی تھی جواباً مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا (اسمٰعیل)

فلک مرتبت میر عثمان علیخاں — مبارک تمھیں مسندِ شہریاری
مبارک اب وجد کی تم کو خلافت — مبارک دکن کی تمھیں تاجداری
مبارک تمھیں ملک کی نگہ بانی — مبارک رعیت کی خدمت گزاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل — جہاں چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جن کو ملا وہ — ہوا چین رخصت فراغت سدھاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو — جنھوں نے کہ جھیلیں ہیں کڑیاں کڑی ری
ارادوں سے جرأت سے ہمت سے جن کی — زمانے نے ہی بارہا شرط ہاری
نمونے ہیں جن کی تاریخ رنگیں — زبانوں پہ ہے ذکر خیر ان کا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرائض — ہے اب آپ کے عہد دولت کی باری
اب اُن کی جگہ آپ کو ہے اُٹھانا — خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہیں دینا ہے اُن کو سہارا — جو بے یار ہیں اُن کی کرنی ہے یاری
نکمے ہیں جو۔ اُن کو کام بتانا — بڑھانا دل اُن کا جو ہیں کم عیاری
جگانا اُنھیں نیند سے جو ہیں ماتے — پڑھانا انھیں علم سے جو ہیں عاری
جو زردار ہیں اُن کی ہے پاسبانی — جو نادار ہیں اُن کی حاجت براری

جو سرزور ہیں اُن کی ہے گوشمالی — جو مظلوم ہیں اُن کی ہے غمگساری
بڑوں نے تھا عہدِ وفا جن سے باندھا — سدا کرنی اُس عہد کی پاسداری
سمجھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں — کہ خصلت ہے یہ زیورِ شہریاری
مبارک یہ بارِ گراں تم کو شاہا — اُٹھانے سے ہیں جس کے افلاک عاری
بہت مشکلوں کا ہے گو سامنا یہاں — کہ بہتوں نے یہاں آ کے ہمت ہے ہاری
مگر مشکلیں ہیں یہ سب اُن کو آساں — پڑی جن کی گھٹی میں ہے ملک داری
پلے جو ہیں آغوش میں سلطنت کی — سیاست ہے جن کی رگ و پے میں ساری
یہ امید ہے آصفِ ہفتمیں سے — ریاست کی حل مشکلیں ہونگی ساری
رہے گا اسی طرح جیسے رہا ہے — دکن پر سدا سایۂ فضلِ باری
دُعا گوئے دیرینہ ناچیز حالیؔ — کہ مدحت گری کے ہنر سے ہے عاری
دُعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُس کے — ادا جس سے ہو فرضِ مدحت نگاری
الٰہی طفیل اُس کا پھیلائی جس نے — خلائق میں توحید و پرہیزگاری
منادی سنے تعلیم نے جس کی آ کر — زمانے کی بگڑی ہوئی کل سنواری
طفیل اس کا فرمانروائے دکن کی — حکومت کو دے غیب سے اُستواری

رہے رہتی دُنیا تلک وہ سلامت
بہ اقبال و فیروزی و کامگاری

حاضرین کانفرنس سے خطاب

[غیر مطبوعہ]

اے خاصگانِ ملت و اے یاورانِ قوم — اے زمرۂ معارف و اے طلبۂ کرام

بندھتی ہی بہتری کی تمھیں دیکھکر امید — ورنہ دلوں پہ چھائی ہیں مایوسیاں تمام

تم آکے مردہ قوم میں دیتے ہو جان ڈال — ورنہ تمام اس کا اب ہو چکا ہی کام

قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دن — پھر سال بھر ہی غم و اندوہ صبح و شام

جس جوش میں کہ آتے ہو یہاں تم ورود سے — گر سال بھر رہے یونہیں اس جوش کو قیام

پھر جائیں دن یقین ہی بہت جلد قوم کے — پا جائیں جلد قوم کے سب زخم التیام

دعوے یہ محبت قوم کے سب بے دلیل ہیں — جبتک نہ کرکے ہاتھ سے دکھلاؤ کوئی کام

میلا نہ سمجھو۔ قومی جلسہ ہی دوستو — آنا ہی دل لگی کی غرض سے جہاں حرام

بیتّل کو دو سہارا کہ غفلت سے قوم کی — ابتک پڑے ہیں کام بہت اسکے ناتمام

سر اپنے دھر لیا ہی اسے ایک فرد نے — ہی بار چھ کروڑ کے کرنیکا جو کام

انصاف سے بعید ہی ساتھ اسکا چھوڑنا — گھلتا تمھاری فکر میں ہی جو کہ صبح شام

خواہش ہی جسکی یہ کہ ہو دنیا میں تم عزیز — جو چاہتا ہی یہ کہ رہو تم با احترام

عزت تمھاری دیکھ کے بڑھتا ہی جسکا خون — جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہی شادکام

خدمت میں قوم کی جسے کافر لقب ملا — بستی میں پایا دین کی بے دین جسنے نام

پر سر سے اُس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا — سب کچھ سنا۔ پہ کام کا چھوڑا نہ التزام

بڑھتا گیا دم اُسکا۔ ہوئی جس قدر لتاڑ — کوٹے تھے حق میں اسکے وہ سب طعنہ و ملام

ہی ایک چراغ آخر شب ٹمٹما رہا — یہ بجھ گیا تو بزم ہی تاریک پھر تمام

ایسا نمونہ جبکہ ہو آنکھوں کے سامنے — پھر حیف ہی کہ ہو نہ سکے تم سے کوئی کام

کرنا ہی کچھ تو کرلو۔ کہ باقی ہے وقت ابھی
پھر آگئے دانت پیسنے کے دن ہیں والسلام

شکریہ حضورِ نظام

[غیر مطبوعہ]

یہ اک میدان تھا سنسان وحشت جس پہ تھی چھائی — نہ سایہ تھا درختوں کا نہ یہ پانی کی سرسائی
کہیں ہوتا اگر کوئی۔ تو یہاں کوئی مکاں ہوتا — پڑے تھے کچھ کھنڈر جن پر جمی تھی جابجا کائی
خبر کس کو تھی برپا ہوگا ایک دارالعلوم اس جا — زمیں پر جس کو حیرت سے تکے گا چرخِ مینائی
جسے دیکھیں گے اعیانِ ملوک آکر تمنا سے — جہاں آفاق سے سیکھیں گے آکر علم و دانائی
یہ تھی امید کس کو؟ پر خدا نے اپنی قدرت کا — دیا جلوہ دکھا۔ ہے جس کا اک عالم تماشائی
نہ تھی خود قوم راضی اور مخالف اک زمانہ تھا — گھٹا یاسیوں کی بانیوں کے دل پہ تھی چھائی
مگر سید کے استقلال نے منوا دیا سب کو — کہ پربت ہو تو جاتا ہے استقلال سے رائی
رعیت نے مدد کی سلطنت نے سرپرستی کی — بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پچھتائی
مگر سچ پوچھیے تو قالبِ بے روح تھا کالج — نہ کی ہوتی اگر سرکارِ عالی نے مسیحائی
جب آئی پیش مشکل جب پڑا کالج پہ وقت آکر — مدد پر کی مدد۔ امداد پر امداد فرمائی

رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشاں جب تک
رہیں گے شکرِ آصف جاہ میں رطب اللساں تب تک

علیگڈھ کالج کیا سکھاتا ہے؟

[غیر مطبوعہ]

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بل چلنا سکھاتا ہے
سہارا غیر کا چھوڑیں یہ ایک ایک کو سمجھاتا ہے

نہ چھوڑیں دین کا دامن۔ رہیں دنیا میں عزت سے
سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دن پڑھاتا ہے

نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت
معزز کس طرح بنتے ہیں؟ مگر اُس کے بتاتا ہے

خدا نے کر دیا ہے حکمراں جس قوم کو ہم پر
خلوص و دردوستی اُس قوم کی دل میں بٹھاتا ہے

رعیت کو برابر حق دیئے ہیں جو حکومت نے
طلب سے پہلے اُن کا مستحق بننا بتاتا ہے

زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گذارا ہے
ڈراونی صورتوں میں بار بار اسکو دکھاتا ہے

یہ باہم مذہبی فرقوں کو ہے شیر و شکر کرتا
یہ روٹھوں کو مناتا ہے یہ بچھڑوں کو ملاتا ہے

کھلاتا ہے یہ کھانا ایک دسترخوان پر سب کو
نمازیں پنجگانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے

دغا کا بیج بوتا ہے تعصب دل سے کھوتا ہے
مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ بننا یہ سکھاتا ہے

نہ چھوٹے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو خامی
خدا کی برکتیں اُن پر جو اس کالج کے ہیں حامی

شکریہ مسٹر پرور

[غیر مطبوعہ]

مسٹر پرور کرنال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی کرنال سے تبدیلی کے وقت عبدالمجید صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس نے مولانا سے یہ نظم لکھوا کر مسٹر موصوف کے حضور میں پڑھی تھی (اسمٰعیل)

سچ ہے کیا نہ شکر بشر جس نے آشکار
اُس نے کیا نہ شکر خداوندِ کردگار

ہم شکر کس زباں سے کریں آپ کا ادا
احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

کی یہاں حکومت آپ نے دس سال جس طرح — بھولیں گے وہ کبھی نہ سپاہی نہ عہدہ دار

اُنیسویں صدی کے یہ دس آخری برس — اِس ضلع میں رہیں گے ہمیشہ کو یادگار

جو ہے اُسے قلق ہے جدائی کا آپ کی — نوکر ہیں مضطرب۔ تو رعیت ہے بیقرار

تھی آرزو لگے رہیں قدموں سے آپ کے — پورا ہو جب تلک کہ یہ انفاس کا شمار

لیکن خوشی کے ساتھ ہے غم بھی لگا ہوا — دُکھ جیسے سکھ کے ساتھ ہوا اور [illegible]

آ پہنچی وہ گھڑی کہ ہم آئے حضور میں — آج آخری سلام کو با چشمِ اشکبار

اس وقت کہ جو دل پہ ہے حالت گزر رہی — لفظوں میں عرض ہو نہیں سکتی وہ زینہار

ہے حق سے یہ دعا کہ بھلائی کا تخم یہاں — جو بو چلے ہیں آپ وہ ہو نخلِ باردار

پرور نے جس طرح کہ خلائق کو خوش رکھا
خالق اُسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

مسٹر ماریسن کی روانگی ولایت

(غیر مطبوعہ)

مسٹر تھیوڈور ماریسن ۱۸۸۹ء میں علیگڈھ کالج کے سٹاف میں شامل ہوئے تھے۔ اس سال کے بعد ۱۸۹۹ء میں مسٹر بک کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ بہ حیثیت پروفیسر اور بحالت پرنسپل انھوں نے مسلمانوں کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ علیگڈھ کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ۱۹۰۵ء میں جب موصوف اپنی بعض خانگی ضروریات کے لیے مستعفی ہو کر ولایت تشریف لے جانے لگے تو ایک الوداعی پارٹی میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی (اسماعیل)

ہم سے ہوتے ہیں جدا اب آنریبل مارسن — چھینتا ہے اُن کو ہم سے جذبۂ حُبِّ وطن

سایہ اپنا سر سے کالج کے اُٹھاتے ہیں وہ — جس کے سر پہ تھے ہما کی طرح وہ سایہ فگن

تھی نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز اُمید — چھوڑ جائیں گے وہ یوں پھولا پھلا اپنا چمن

کیا خبر تھی ہم کو ؟ یاد آئے گا اپنا جبکہ دیس
بھول جائیں گے انہیں پردیس کے سارے بچن

چھوڑ کر بیڑا مسلمانوں کا یوں منجدھار میں
راہ لی تم نے سمندر پار کی اے مارسن

تم نے پوری کر کے آنکھوں سے دکھا دی وہ مثل
وہ جو ہے مشہور "کُن نیکی و در دریا فگن"

چاہیئے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب بہار
جسکی پہنچی ہے مہک شیراز سے لے تا دکن

پرورش میں تم نے جس بچے کی کاٹے بیس سال
دیکھنی تھی اب تمھیں اُس کی جوانی کی پھبن

تم نے باندھی تھی کمر جب قوم کی تعلیم پر
شاد ہوتے دیکھ کر اُن میں کمالِ علم و فن

پر لگاتے اور ہیں یہاں پودے پھل کھاتے ہیں اور
نوعِ انساں میں چلی آتی ہے یہ رسمِ کہن

ہے تمھارے جانشینوں کے لئے اب راہ صاف
کٹ گئیں اس راہ میں جتنی تھیں منزلیں کٹھن

تم نے کی کالج کی خدمت جس خلوص و صدق سے
بس یہی خدمت۔ تمھارا ہے صلہ اے مارسن

ہے صلہ نیکی کا خود نیکی۔ کہ دل سوزی کا اجر
شمع نے پھر پایا روشن ہوگئی جب انجمن

گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا سرسید نے بیج
پر پھلا پھولا تمھاری سعی سے اُس کا چمن

جیسے پھیلایا مقدس پال نے دینِ مسیح
تم نے اور بک نے یونہیں پھیلایا سید کا مشن

تم نے سرسید کی جو اصلاح میں حصہ لیا
قوم کی سنت ادا کی ہے یہ تم نے بے سخن

تم زمیں کے ہو نمک مصلح ہو تم اقوام کے
ہے تمھاری قوم کی خصلت یہ مشہورِ زمن

نوعِ انساں کی مدد کرنا تمھارا ہے شعار
تقویت دینا ضعیفوں کو تمھارا ہے چلن

مارسن اور مارسن بیگم نے ثابت کر دیا
"خیر کے پتلے ہیں انگلش قوم کے سب مرد و زن"

نیک دل بانو بھی کالج کی مربّی تھی یونہیں
جس طرح شوہر کے دل کو تھی لگی اُسکی لگن

اب دعا یہ ہے کہ آپ اور آپکے اہل و عیال
سایۂ افضالِ ربانی میں پہنچیں تا وطن

رہ ہو سے ہر منزل میں توفیقِ الٰہی ساتھ ساتھ
حافظ و ناصر تمھارا ہو خدائے ذو المنن

خطاب بہ "حاذق الملک"

(منقول از "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مورخہ ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۰۸ء)

سنہ ۱۹۰۸ء کے شروع میں جب حکیم محمد اجمل خانصاحب کو گورنمنٹ نے "حاذق الملک" کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لیئے ۷ر جنوری سنہ ۱۹۰۸ء کو دہلی کی پبلک کا ایک عظیم الشان جلسہ شہر کے ٹاون ہال میں نواب میر الدین احمد خانصاحب والی ریاست لوہارو کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی میں تشریف رکھنے کے باعث جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا (اسماعیل)

حاذق الملک! اِس خطابِ فرخ و مسعود پر
ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے
پر یہ ہی کیسی مبارکباد۔ ہم حیران ہیں؟
گو کہ دل ہر اپنے بیگانے کا اس سے شاد ہے
سعی و کوشش آپ نے کی تھی کبھی بہرِ خطاب؟
یا کوئی درخواست ہی بھی آپ نے کچھ یاد ہے؟
یہ تو یاروں کی دعاؤں کا ہی بس سارا ظہور
غیب سے یہ اُن دعاؤں کی ہوئی امداد ہے
پس مبارکباد یہ جو دے رہے ہیں خاص و عام
مستحق ہیں اسکے ہم۔ یا آپ کیا ارشاد ہے!

شکریۂ مساعئ جمیلہ ظفر علیخاں

از طرف جملہ مسلمانان

(منقول از روزنامہ "زمیندار" جلد ۳ نمبر ۷۹ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۱۳ء)

۱۹۱۳ء میں جب مسٹر ظفر علیخاں بی۔ اے اڈیٹر مالک اخبار زمیندار جنگ بلقان کے سلسلہ میں قسطنطنیہ گئے اُس وقت اُن کی اسلامی خدمات اور قومی ہمدردی کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اُس وقت اُن کی شان میں کچھ ابیات لکھی تھیں لیکن نظم ناتمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے (جہاں اُن کا نہایت پرجوش استقبال کیا گیا) اُس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم اُن کے سامنے پڑھیں۔ پانی پت سے اُنہیں دہلی تار دیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے تھوڑی دیر یہاں بھی ٹھیریں مگر نہ تار کا جواب آیا اور نہ مسٹر ظفر علیخاں اُدھر سے گذرے لہذا بعد میں مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لیے بھیجدی (اسماعیل)

اے مالکِ دفترِ زمیندار	اے نازشِ قوم و فخرِ اقراں
اے روح و روانِ جمعِ احباب	اے چشم و چراغِ بزمِ اخواں
اے دیں کے امتحاں میں جانباز	اے نصرتِ حق میں تیغِ عُریاں
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر	اے شیر دل۔ اے "ظفر علیخاں"
قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گُن	جب تک وہ رہے نظر سے پنہاں
فوقیت و برتری پہ تیری	قائم کوئی ہو سکی نہ بُرہاں
ہر وقت کی تاک میں برابر	ہمت تری گن رہی تھی گھڑیاں
بلقان و طرابلس میں ناگاہ	اُٹھا ستم و جفا کا طوفاں
ہمدردئ اہلِ دیں نے آخر	جوہر ترے کر دیے نمایاں

جمعیت و صبر کا سراسر دامن ہوا چاک تا گریباں
پھیلے وہ بشکل سیل آتش دل میں ترے جو شرر تھے پنہاں
ڈالا یہ تری پکار نے غل جی اُٹھے وہ مردے جو تھے بیجاں
جو دل غم قوم سے تھے بے حس چھلنے لگیں اُن دلوں پہ چھریاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب حقیقت جو نام کے تھے فقط مسلماں
ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ سنتا بھی ہے اے ظفر علیخاں
نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پہ تعلیم پہ جس کی ۔ تو ہے نازاں
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سوز غم دین حق سے جن کے سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
مشرق میں ہوں ردِ دل جگہ بیچین مغرب میں سنیں جو رنج اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر ہے اُس کو یہ فخر و ناز و شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
ہوں زندہ دل ایسے جسمیں انساں

حصۂ ششم

غزلیات

(۱)

کہاں فکر میں اب وہ جولانیاں [غیر مطبوعہ] وہ دریائے معنی کی طغیانیاں

کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں ۔۔۔ وہ بزمِ سخن میں گل افشانیاں

کہاں اب وہ جلسوں میں احباب کے ۔۔۔ سخن سنجیاں اور سخن دانیاں

دکھائی جو ہیں دورِ گردوں نے آنکھ ۔۔۔ گئے بھول ساری غزل خوانیاں

جھکے بن زمانہ سے بنتی نہیں ۔۔۔ رگڑتی ہیں یہاں سب کو پیشانیاں

لگے بڑھنے جب سے کہ ہوش و خرد ۔۔۔ قطعہ ۱ ۔۔۔ لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں

بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی ۔۔۔ ۲ ۔۔۔ بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں

اگر راست گوئی کی جرأت نہیں ۔۔۔ قطعہ ۱ ۔۔۔ تو جھوٹی ہیں واعظ کی لسّانیاں

منادی نہیں حق کی کچھ دل لگی ۔۔۔ ۲ ۔۔۔ بہت یہاں ہیں درکار قربانیاں

گئے جھیل چپ چاپ گر مشکلیں ۔۔۔ یہی مشکلیں ہیں پھر آسانیاں

ہوا ناپدید جس ملک میں اتفاق ۔۔۔ ہیں آبادیاں وہاں کی ویرانیاں

پھریں خرقہ پوش اب کوئی اور روپ ۔۔۔ یہ شکلیں تو ہیں جانی پہچانیاں

وہی لے گئے یہاں سے زادِ سفر ۔۔۔ گئے جھاڑ جو اپنی ہمیانیاں

لگاؤ نہ اس دارِ فانی سے دل ۔۔۔ قطعہ[۱] ۔۔۔ عیاں اس کی ہیں سست بنیانیاں

جو یہاں آج ہے جوشِ عیش و نشاط ۔۔۔ تو کل حسرتوں کی ہیں طغیانیاں

---

[۱] یہ قطعہ روس اور جاپان کی لڑائی کے زمانہ میں لکھا تھا۔

پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب — اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
چمن ہے کہ ہے سیمیائی نمود — یہ کہتی ہیں نرگس کی حیرانیاں
گل۔ آوازِ بلبل پہ ہیں ہنس رہے — کہ "کے دن کی ہیں خوش الحانیاں"
متاعِ وفا کا ہے دنیا میں کال — مگر گاہکوں کی ہیں ارزانیاں
لگا دیتے ہیں اس کی قیمت میں جو — شہنشاہیاں اور سلطانیاں
کھلونوں پہ مرتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ — یہ داناؤں کی یاں ہیں نادانیاں
جھپٹتے ہیں مردار کی پاکے بو — یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
بنی نوع کے دوست کرتے ہیں آہ — بنی نوع پر آتش افشانیاں
کلیجے کے ٹکڑوں سے ہوتی ہیں یہاں — سدا چیل کوؤں کی مہمانیاں
جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام — جہانداریاں اور جہانبانیاں
ڈبوتی ہیں آخر کو منجدھار میں — یہ فرعونیاں اور ہامانیاں

محبت کا دنیا کے حالی مآل
پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

(۳)

نفس کی فرمانروائی ہو چکی [غیر مطبوعہ] خود پسندی خودنمائی ہو چکی
اب ہیں پیری کی عبودیت کے دن — بس جوانی کی خدائی ہو چکی
گرم جوشی۔ لطفِ صحبت ہو چکا — ناخوشی۔ خفگی۔ لڑائی ہو چکی
موت کی راحت فزائی کا ہے وقت — زندگی کی جاں گزاری ہو چکی
قطرہ اب دریا میں جا ملنے کو ہے — تیری میعاد اے جدائی ہو چکی
جلتے ہیں جبریل کے شہپر جہاں — بے پروں کی واں رسائی ہو چکی
دیکھنا ہے تجھ کو اب اے جذبۂ عشق — عقل کی زور آزمائی ہو چکی

قیدخانہ میں گیا دل جن کا لگ — اُن اسیروں کی رہائی ہو چکی
دیر میں بھی لیجئے قسمت آزما — مسجدوں میں جبہ سائی ہو چکی
خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو — باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
وقت ہے اے زاہد اب تشہیر کا — شہرتِ زہد ریائی ہو چکی
ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب — شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی
فلسفے سے اُس کی اب مٹ بھیڑ ہے — سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی
رہ گئی ہے مذہب و ملت کی جنگ — ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی
ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک — اہلِ مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سننے کا اے حالی دماغ
بس بہت ہذیاں سرائی ہو چکی

(۳)

مستیٔ جہل میں غفلت کا نشا اور سہی (غیر مطبوعہ) شبِ تاریک میں گھنگھور گھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانے والا — ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی
کم نہ تھے روگ جوانی میں بھی کچھ آپڑی — رعشہ اب اور سہی، لغزشِ پا اور سہی
گر گنہ عفو کی اُمید پہ کرنا ہے خطا — ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سہی
شہ کو ہے خوفِ عدو، خوفِ اجل، خوفِ زوال — کہہ دو اے بے خبر! اک خوفِ خدا اور سہی
اے وفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں؟ — دشمن اتنے ہیں جہاں، ایک وفا اور سہی
ترکِ دنیا کے علائق تو کیے سب زاہد — گر مناسب ہو، تو اک ترکِ ریا اور سہی
تیرے انفاس نے مُردوں کو کیا ہے زندہ — ایک جھونکا ادھر اے بادِ صبا اور سہی
مدرسہ میں نہ ملا کچھ، تو نہ توڑ آس اے دل — ایک درِ دولتِ ساقی پہ صدا اور سہی
تم کو حالی یہی طرز اپنی بناتے جاؤ — طرزِ شعرِ فصحا و بلغا اور سہی

(۴)

(غیر مطبوعہ)

نہ عیشِ کیخسروی رہیگا نہ صولتِ بہمنی رہیگی
رہیگی اے منعمو تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہیگی

رہیگی گردش دکھا کے نیچا جو ہو گئے تاڑ سے تم اونچے
سدا کسی کی بنی رہی ہے۔ نہ اب کسی کی بنی رہیگی

گرایا تورانیوں کو تو نے پچھاڑا مازندرانیوں کو
کہاں تلک اے شرابِ غفلت یہ تیری مردانگی رہیگی

رہیگی کس طرح راہ ایمن کہ رہنما بنگئے ہیں رہزن
خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہیگی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی۔ دل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیر چھا جائیگا جہاں میں۔ اگر یہی روشنی رہیگی

کریگی کچھ عقل رہنمائی۔ نہ علم سے ہو گی کچھ صفائی
گناہ کی گندگی میں دنیا یونہیں ہمیشہ سنی رہیگی

بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہیں ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبولِ عام ہونا
رہو گے گر حسنِ ظن کے طالب تو تم سے یہاں بدظنی رہیگی

جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ ہوں نہ وارث
رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت اُن کی غنی رہیگی

۵

(غیر مطبوعہ)

کہنے کی بات ہو تو اُسے کہہ سنائیے
جو دل پہ بن رہی ہے وہ کیونکر دکھائیے؟

دنیا کی ہو ہوس تو دل و دیں گنوائیے
یہاں کھوئیے بہت سا تو کچھ جا کے پائیے

یہ کیا کہ دل ہے دیر میں اور کعبہ میں مقام؟
ہو رہیے بس اُنہیں کے جہاں دل لگائیے

گر جان کا ضرر ہے محبت میں ناصحو
ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بیزار جائیے

اور اعتبار کھوتے ہو اپنا رہا سہا
بس آ گیا یقیں ہمیں قسمیں نہ کھائیے

بھر پائے ہیں زمانہ سے جو مانگتے تھے حق[1]
فارغ خطی ہم اپنی ابھی لکھ دیں لائیے

---

[1] یونیورسٹی بل کی طرف اشارہ ہے

مشکل ہی پاک ہونا اگر دل نہیں ہی پاک زمزم میں غسل کیجئے کہ گنگا نہائیے
پھرتا ہو جو کہ کُودتا غیروں کی آگ میں خیر اُس اَجل گرفتہ کی کب تک منائیے
ہوتی ہجومِ غم میں ہی کیوں زہر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائیے

(۶)

[غیر مطبوعہ]

وصفِ چمن قفس میں سُنو عندلیب سے ۴ پوچھو وطن کی قدر مسافر غریب سے
نالوں سے ایک دم نہیں مسکین کو قرار کیا کہہ گئی چمن میں صبا عندلیب سے
لاگ اور لگاؤ ساتھ گئے سب شباب کے نفرت رقیب سے نہ اب اُلفت حبیب سے
"اب دل سے دُور رکھو خیال نشاطِ عمر" آواز دے رہا ہی یہ۔ کوئی قریب سے
شادی ہی ایک کی وہی جو دوسرے کا غم دُنیا کے بھی ہیں شادی و غم کچھ عجیب سے
دُون پڑھتے نہ دردِ دل کو مروں اسمیں یا جیو پانڈے سے لوں صلاح نہ پوچھوں طبیب سے
کہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں جسے خوار بے قرار "ہے کوئی خاندانِ شریف و نجیب سے"
طالب میں صدق ہی نہ عقیدت مُرید میں ہیں آج کل کے پیر بھی کچھ بدنصیب سے
"پڑھے" وہ خطبہ جسمیں کہ صدق و صفا نہ ہو" کہدو یہ جا کے بر سرِ منبر خطیب سے
فاقے میں تم کو دیکھ کے جاتی ہی بھوک بھاگ پہنچا ہی نسخہ آپ کو یہ کس طبیب سے؟
اب جس کے جی میں آئے بھرے شادی کا دم میدان آج کل ہی یہ خالی نقیب سے
نعم البدل ہی داغ کا حالی "کلام داغ"
ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

(۷)

تیر پیہم لگائے جاتا ہے [غیر مطبوعہ] نظروں نظروں میں کھائے جاتا ہو

دیکھئے اور کیا دکھائے فلک　　ابھی تو آنکھیں دکھائے جاتا ہے

دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن　　دشمنوں کو ہنسائے جاتا ہے

ہوچکی قوم مُردہ۔ پر جلاد　　ابھی دُرّے لگائے جاتا ہے

گوکہ حالی میں دم نہیں باقی　　ڈور اپنی ہلائے جاتا ہے

گو نہیں آس خیر کی۔ لیکن　　خیر سب کی منائے جاتا ہے

اب سُنے اِس میں کوئی۔ یا نہ سُنے

وہی راگ اپنا گائے جاتا ہے

حصہ ہفتم

متفرقات

خمسۂ نعتیہ

(منقول از رسالہ "حدیث قدسی" مرتبہ قاضی محمد عمر صاحب صفحہ ۲۳)

قدسی کی مشہور و معروف نعتیہ غزل پر سینکڑوں اشخاص نے تضمینیں کہی ہیں اس قسم کی بہت سی نظمیں قاضی محمد عمر صاحب ساکن ضلع مظفر نگر نے جمع کیں اور سنہ ۱۳۲۶ھ میں حدیث قدسی کے نام سے اسے شائع کیا اس میں مولانا کے نام سے مندرجہ ذیل نظم کتاب کے صفحہ ۲۳ پر لکھی ہوئی ہے لیکن آخر میں تخلص بجائے "عالی" کے "خستہ" ہے۔ اب یہ معلوم نہیں اُس وقت مولانا کا تخلص ہی عام طور پر "خستہ" تھا یا اس خاص نظم میں مولانا نے اپنا یہ تخلص لکھا تھا۔ بہرحال یہ یقین ہے کہ یہ نظم مولانا ہی کی ہے کسی اور کی نہیں البتہ تخلص بدلا ہوا ہے

مرحبا زیب دہ مسند عالی نسبی — مرحبا صاحب اورنگ شفاعت طلبی
مرحبا سرور دیں ہاشمی و مطلبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یونس و یوسف و یعقوب و مسیح و موسیٰ — سب ترے مائدۂ فیض سے ہیں لقمہ ربا
حق تو یہ ہے کہ تو بے مثل ہے چوں ذات خدا — نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

ہو گیا بیخود و بیتاب و تواں اور بیدم — ایک نظر جس نے ترے نور کا دیکھا عالم
کہا نقاش نے کی جب تری تصویر رقم — "من بیدل بجمال تو عجب حیرانم"
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

آپ وہ نورِ مجسم ہیں شہنشاہِ اُمم　　دیکھنے خواب میں گر حُسن کا اپنے عالم
نکلے بیساختہ حضرت کی زباں سے بہم　　"مَن بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم"
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

ایک تو یہ کہ فصاحت ہے عرب کی مشہور　　دوسرے دینی تھی زک۔ اہلِ زباں کو منظور
تیسرے یہ کہ بفرمانِ خداوندِ غفور　　ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

اے شہنشاہِ اُمم۔ اے شہِ فرخندہ مقام　　فخرِ دیں۔ فخرِ رُسل۔ فخرِ جہاں۔ فخرِ انام
ہیں اعجاز سے خالی۔ تیرا جو کچھ ہے کام　　نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

خستہ خاموش کہ مشکل ہے بہت وصفِ نبی　　ہاتھ اُٹھا سوئے مدینہ دمِ حاجت طلبی
پڑھ زباں سے۔ ز رہِ صدق یہ شعرِ قدسی　　سَیِّدِی اَنْتَ حَبِیْبِیْ وَ طَبِیْبُ قَلْبِیْ
آمدہ سُوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

گدایانِ قوم

سنہ ۱۹۱۰ء میں مدرسہ طبیّہ دھلی کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن "حاذق الملک" حکیم عبد المجید خانصاحب مرحوم کی یادگار کے لیئے چندہ کی غرض سے علیگڈھ گیا تھا تو مولانا نے جلسہ کے لیئے یہ نظم وہیں لکھنی شروع کی تھی لیکن علالت کے سبب وقت پر مکمل نہ ہوسکنے کے باعث جلسہ میں پڑھی نہیں گئی مگر اُسی ناتمام حالت میں اُسی وقت "علیگڈھ منتھلی" میں شائع ہوگئی تھی۔ مولانا کا جو مجموعہ نظم شائع ہوا ہے اُس میں بھی یہ نظم ناتمام ہی چھپی ہوئی ہے۔ نظم کی اشاعت کے بعد مولانا نے ۱۹ شعر

اور کہکر نظم کو مکمل کر دیا تھا۔ آخر کے یہ اُنیس شعر ابتک کہیں نہیں چھپے۔ ہم نے اس خیال سے کہ پوری اور مکمل نظم ہدیہ ناظرین کرنی زیادہ مناسب ہوگی۔ اس نظم کے شروع کے اشعار بھی یہاں نقل کر دیئے ہیں۔ کل نظم ۸۴۔ اشعار کی ہی جسمیں سے اوّل کے ۶۵۔ اشعار "مجموعہ نظم حالی" میں سے لیئے گئے ہیں۔

اور آخر کے ۱۹ شعر غیر مطبوعہ ہیں (اسماعیل)

جن کو ہے حُبّ الوطنی کا خیال
بحث میں لاتے ہیں یہ اکثر سوال

"مانگتے پھرتے ہیں جو اکثر گدا
دینا ہے کچھ اُن کو بھلا یا بُرا؟

فرقہ ہی "کنسرویٹو" اُن میں جو ایک
کہتا ہے "دینا ہے بہر حال نیک

مانگنے کی گو کہ ہے عادت بُری
اس سے بھی ہی بخل کی خصلت بُری

رَدِّ نہ سوالِ فقرا کیجئے
جان بھی مانگیں تو فدا کیجئے

داد و دہش کے ہیں نتائج بڑے
اہلِ سخا کے ہیں مدارج بڑے

خیر کے کام آج جنہوں نے کیے
کوثر و جنت ہی کل اُن کے لیے

اُن کے لیے وقف ہی دار السلام
اُن کا ہی فردوس میں اعلیٰ مقام"

ملک میں جو لوگ ہیں دیرینہ سال
ہی یہی قال اُن کا یہی اُن کا حال

پر "لبرل" کی ہی خلاف اُنکے رائے
جس میں بظاہر نہیں حجت کی جائے

کہتے ہیں وہ "دیتے ہیں سائل کو جو
دونوں جہاں سے اُسے دیتے ہیں کھو

رہتا ہی دُنیا کا۔ نہ وہ دین کا
شرع کا پابند۔ نہ آئین کا

اُس کو نہ غیرت۔ نہ حمیّت ہی کچھ
اور نہ ڈھٹائی سے ندامت ہی کچھ

قوتیں جو اُس کو ہوئی تھیں عطا
سب کو دیا خاک میں اُس نے ملا

جانتا ہی۔ مانگنے کو ہے زبان
دُت دیکے سننے کی خاطر ہیں کان

سونگھنے کو ناک ہی بُوئے طعام
دیکھنے کو آنکھ ہے خوانِ کرام

پاؤں ہیں پھرنے کے لیے دربدر
جوڑنے کو ہاتھ ہیں پیشِ بشر

دیتے ہیں جو بھیک اُنہیں صبح و شام
وہ کوئی نیکی کا نہیں کرتے کام

جو کہ سوال اُن کا نہیں کرتے رد
ملک میں پھیلاتے ہیں اخلاقِ بد

مانگنا خود اُن کو سکھاتے ہیں وہ
حوصلہ دیدے کے بڑھاتے ہیں وہ"

بعضوں کو اس بات میں یہاں تک ہے کد
"رد کیجے قانون سے یہ رسمِ بد

لیجئے سرکار سے فریاد و داد
تاکہ کرے مانگنے کا انسداد

ایسا وہ قانون بنائے کوئی
بھیک نہ پھر مانگنے پائے کوئی"

ہے لبرل کی یہی کوشش اگر
لائے گی آخر کو یہ کوشش ثمر

ایک دن ایسا بھی ضرور آئیگا
مانگنا اک جرم ٹھہر جائے گا

مانگتے اب پھرتے ہیں جو دربدر
آئے گی پرچھائیں نہ اُن کی نظر

ہے مگر اک فرقہ سوا اُن کے اور
مانگنے کے جن کے نرالے ہیں طور

جتنے بھکاری کہ ہیں نزدیک و دور
کان پکڑتے ہیں سب اُن کے حضور

چور رہیں اُن سے اچھوتے نہ ساہ
مانگتا ہے اُن سے زمانہ پناہ

مل کے صدا سارے لگاتے ہیں جب
"انگلیاں دے لیتے ہیں کانوں میں سب

وضع اگر دیکھئے تو سربسر
آتے ہیں خاصے بھلے مانس نظر

شکلیں ثقہ داڑھیاں اکثر سفید
باتیں موثر کہ کریں دل میں چھید

ہے کوئی شمس العلماء کوئی سر
خان بہادر ہے کوئی ڈاکٹر

ملک کا مشہور ہے محسن کوئی
کوئی مُسن ہے تو ہے کم سن کوئی

ہے کوئی شاعر تو ہے کوئی حکیم
رکھتا ہے دیکھو جسے شانِ عظیم

جن کے یہ درجے ہیں یہ جن کے نشان
جوگیوں کے کترے اُنھوں نے ہیں کان

در پہ الکھ آکے جگاتے ہیں جب
سُن کے گھروں سے نکل آتے ہیں سب

مانگنے پر پھر جو اُترتے ہیں شریر — ہوتے ہیں لاکھوں نہ ہزاروں سے سیر
ایسوں کو بتلاؤ بھلا دیجئے کیا؟ — دیجئے تو پھر اُسکے عوض لیجئے کیا؟
دیتے ہیں مسکین کو خیرات جب — دیتے ہیں اُمید یہ عقبیٰ کی سب
ایک اگر دیتا ہے انسان یاں — رکھتا ہے ہفتاد کی امید واں
پر یہ دلاتے نہیں کوئی اُمید — دیتے بشارت ہیں نہ کوئی نوید
وعدۂ عقبیٰ نہیں کرتے کبھی — خُلد کی ہامی نہیں بھرتے کبھی
کہتے ہیں یہ صاف بصد شد و مد — "ہے وہ بیع جس میں ہو داد و ستد"
کہتے ہیں دینے سے رکھو کام تم — لینے کا زنہار نہ لو نام تم
داد و دہش ورنہ اکارت ہے یہ — "یہ نہیں خیرات۔ تجارت ہے یہ"
ہیں یہ دلیلیں مگر اُن کی فضول — نیچریوں کیسے ہیں سارے اُصول
ہم اُنہیں معقول نہیں جانتے — ایسی دلیلوں کو نہیں مانتے
پر نہیں اِک بات کا اُنکی جواب — سُن کے جسے زہرہ ہو پتھر کا آب
کہتے ہیں "انسان اُٹھاتا ہے جو — اپنے حوائج میں زر و سیم کو
اُس کی ہو عقبیٰ میں اگر کچھ جزا — قوم کی امداد کا بھی ہو صلہ
کھانے کی ہے جیسے ضرورت اُسے — پانی کی جس طرح ہے حاجت اُسے
چاہئیے جس طرح کہ رہنے کو گھر — زادِ سفر چاہئیے بہرِ سفر
چاہئیے نفقہ پئے فرزند و زن — چاہیے آرام پئے جان و تن
فرض اسی طرح ہے امدادِ قوم — یادِ خدا پہلے ہے پھر یادِ قوم
کہتے ہیں دُنیا سے ہے جبتک لگاؤ — دل میں بشر کے ہے اُمنگ اور چاؤ
بھاگتے جبتک کہ ہیں ذلت سے سب — رہنا ہیں یہاں چاہتے عزت سے سب
جبتک انسان میں ہے غیرت کی شان — بیچ میں اس خاک کے باقی ہے آن

قوم کی طاقت کا بڑھانا ہی فرض
قوم کا قرضہ یہ چکانا ہی فرض

فرض یہ محسوس ہوا ہے جنہیں
کل نہیں اس فرض سے دم بھر انہیں

قوم کی رفعت کے ہیں طالب سدا
ہو سکے تو اس کو آدہر لیں اُٹھا

جانتے ہیں اپنی یہی برتری
قوم کی کوئی نہ کرے ہمسری

اپنی سمجھتے ہیں بڑائی یہی
قوم ہو آفاق میں اُن کی بڑی

قوم شریک اُن کی کمائی میں ہے
قوم کی جیت اُن کی بھلائی میں ہے

اُن کی ہر اک راہ میں ساتھی ہے قوم
جان میں اور مال میں ساجھی ہے قوم

رکھتے ہیں سب پیر ہوں یا ہوں جواں
قوم کی ایک ایک ضرورت کا دھیاں

تا کہ رہے یاد زمانِ سلف
مٹنے نہیں دیتے نشانِ سلف

مُردہ زبانوں کو جلاتے ہیں وہ
خفتہ طبابت کو جگاتے ہیں وہ

ہم کہ زبانیں ہیں ہماری تمام
زندہ جنہیں بولتے ہیں خاص و عام

پر ہمیں پروا نہیں اُن کی ذرا
دے کوئی دنیا سے گر اُن کو مٹا

زندہ طبابت ہے ہماری ابھی
فیض کا چشمہ ہے یہ جاری ابھی

ہند میں اسلام کی ہے یادگار
اُس کا ہے ملک میں وہی اعتبار

ملک میں ہے اُس کی ضرورت بہت
قوم کو ہے اُس سے عقیدت بہت

جانتے ہیں اُس کو پسندیدہ سب
اُس کے علاجوں کے ہیں گرویدہ سب

یہ بھی ہے معلوم کہ دُنیا میں آج
سب سے سوا ہم میں ہے اُسکا رواج

اس کے مصنف ہیں مسلماں تمام
غیر کا تم اُن میں نہ پاؤ گے نام

اُس نے جنم خواہ کہیں ہو لیا
پرورش اسلام نے اس کو کیا

عہد سے عباسیوں کے آج تک
فن یہ ہمارا تھا نہیں اسمیں شک

پر نظر آتی نہیں اب اُسکی خیر
روز بروز اُس کا ہے اب حال غیر

جاتا ہمارے ہی نہیں ہاتھ سے ڈر ہی کہ دُنیا سے نہ وہ چل بسے
حاذقِ الملک[1] اُس کا مُربی تھا جو گنجِ لحد میں وہ رہا جا کے سو
اب نہ رہا اُس کا سہارا کوئی اُس کے چمن کا چمن آرا کوئی
چاہیئے اب قوم سنبھالے اُسے نزع کی حالت سے نکالے اُسے
طِب کو گر اپنی نہ سنبھالیں گے ہم اِک بڑی دولت گنوا دیں گے ہم

اِفتتاح ندوۃ العلما

[منقول از "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" جلد ۰ نمبر ۴۹ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۰۸ء و رسالہ العصر جلد ۱ نمبر ۵ بابت جولائی ۱۹۱۳ء]

۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو ندوۃ العلما رلکھنؤ کی عمارت کا سنگِ بنیاد صوبہ کے لفٹنٹ گورنر آنریبل سر جان پرسکاٹ ہیوٹ صاحب بہادر کے سی - ایس - آئی - سی - آئی - ای نے ایک عظیم الشان جلسہ میں خود اپنے ہاتھ سے رکھا تھا - یہ نظم اسی موقع کے لیے علامہ شبلی کی فرمائش سے مولانا نے لکھی تھی - مولانا کا اس جلسہ میں شریک ہونے اور خود یہ نظم پڑھنے کا ارادہ تھا مگر یکایک طبیعت کے ناساز ہو جانیکی وجہ سے آپ لکھنؤ تشریف نہ لیجا سکے - نظم بذریعۂ ڈاک بھیجدی تھی مگر بعد میں پہنچی اور اسی وجہ سے موقع پر پڑھی نہ جا سکی (اسماعیل)

ڈر حادثاتِ دہر کا پھر اُس عمارت کو ہی کیا رکھی گئی ہو علم اور اصلاح پر جس کی بنا
ہوں راج اور مزدور جسکے اہلِ علم و اِتّقا اور مستری جس کا بنے صوبہ کا خود فرمانروا
ہیوٹ نے ڈالی تیری نیو اے ندوہ کر شکرِ خدا

اب مشکلیں فضلِ خدا سے تیری سب آسان ہیں سر جان ہیں تیرا مُربی - قوم ہے تیری معین
رُک رُک کے آخر جھک چلے ہیں تیری جانب اہلِ دیں اے ندوہ یہ سامان بجز تائیدِ ربانی نہیں
پھر ڈر ہی اُس بیڑے کو کیا جس کا خدا ہو ناخدا ؟

[1] یعنی حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم ۱۲

بے گھر تھا تو اے نل دہ تجھ کو گھر دیا سرجان نے — ویرانہ تھا۔ آباد تجھ کو کر دیا سرجان نے
موقع تجھے بہتر سے بہتر تر دیا سرجان نے — خاکہ تھا اک تو۔ رنگ تجھ میں بھر دیا سرجان نے

اب تو قدم آگے بڑھا خواہش ہے گر اس سے سوا

اُس ملک و اہل ملک پر۔ سمجھو خدا ہے مہرباں — آزاد ہوں مذہب جہاں آباد ہوں عبد جہاں
ہو سلطنت اُس قوم کی جو علم کی ہو قدر داں — جلسوں میں سیلانی کے شریک آ کر ہوں حکام زماں

دیں تا کہ اپنے خُلقِ شاہانہ سے دل سب کے بڑھا

دیں علم کی ترغیب ہیں۔ جو علم سے بیزار ہوں — اُن کو جگائیں نیند سے غفلت سے جو سرشار ہوں
خیراد پراُن کو چڑھائیں جو کہ ناہموار ہوں — دیں اُجی حق بیدریغ اُن کو۔ کہ جو حقدار ہوں

جس قوم کو دیکھیں گرا۔ یس دوڑ کر اُس کو اُٹھا۔

ممکن ہی کچھ دل اس حکومت میں عجز نالاں او رحزیں — پر اس سے تو خالی۔ حکومت کوئی دنیا میں نہیں
وہ بادشہ۔ قبضے میں جسکے آسماں ہے اور زمیں — اُسکی حکومت میں بھی شادی ہے کہیں ماتم کہیں

بارانِ رحمت ہے کہیں۔ رحمت کہیں سیلِ بلا

حق یہ ہے ہو جس ملک میں ہر قوم کی حالت جُدا — اِس قوم کا مقصد الگ۔ اُس قوم کی حاجت جُدا
رسمیں جدا ہر قوم کی۔ مذہب جدا۔ ملت جدا — نقشہ جدا۔ رنگت جُدا۔ صورت جدا۔ سیرت جدا

ہے انتظام اُس ملک کا بس اعجاز انگلش قوم کا

محتاج تھے جو پرورش کے۔ تم نے پالا ہے انہیں — جو ہو گئے تھے پست۔ پستی سے نکالا ہے انہیں
دریچے سے ملتے جو گر گئے۔ تم نے سنبھالا ہے انہیں — انگھڑ تھے جو۔ تعلیم کے سانچے میں ڈھالا ہے انہیں

ہم سے تمہارا شکر اے برطانیہ کیا ہو ادا

نل دہ کو یورآنرنے عزت دی ہے جو یہاں آ نکر — نل دہ کا یہ اعزاز ہے احسان ساری قوم پر
خیر اس حکومت کی مناتے ہیں مسلماں سر بسر — حق سے دعا کرتے ہیں جان و دل سے یہ شام و سحر

"اڈورڈ ہفتم ابر شہنشاہی رہے اُس کی سدا

تاریخ وفات پروفیسر آزاد

[غیر مطبوعہ]

یہ اشعار شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دہلوی کی وفات پر کہے گئے تھے جو ۱۹۰۹ء میں واقع ہوئی تھی (اسمٰعیل)

آزاد وہ دریائے سخن کا دُرِ یکتا — جس کی سخن آرائی پہ اجماع تھا سب کا
ہر لفظ کو مانیں گے فصاحت کا نمونہ — جو اُس کے قلم سے دمِ تحریر ہے ٹپکا
ملکوں میں پھرا مدتوں تحقیق کی خاطر — چھوڑا نہ دقیقہ کوئی۔ رنج و تعب کا
دیکھا نہ سُنا ایسا کہیں اہلِ قلم میں — تصنیف کا۔ تدوین کا۔ تحقیق کا لپکا
صحت میں بحالت میں۔ اقامت میں سفر میں — ہمت تھی بلا کی۔ تو ارادہ تھا غضب کا
فرض اپنا ادا کر کے۔ کئی سال سے مشتاق — بیٹھا تھا کہ آ جائے کہیں پیغام طلب کا
آخر "شبِ آشور" کو تھی جس کی تمنا — آ پہنچا نصیبوں سے بُلاوا اُسے رب کا

تاریخ وفات اُس کی جو پوچھے کوئی حالیؔ
کہہ دو کہ "ہوا خاتمہ اردو کے ادب کا"
۱۳۲۷ھ

قصیدۂ تہنیت بحضور نظام دکن

(منقول از قصیدۂ مطبوعہ)

۱۳۲۳ھ میں حضور مظفر الدولہ مظفر الممالک نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علیخاں بہادر فتح جنگ جی۔سی۔ایس۔آئی۔جی۔سی۔بی والی حیدرآباد کے جشن سالگرہ چہل سالہ کے موقع پر مولانا بھی حیدرآباد بلائے گئے تھے یہ قصیدہ اُسی وقت لکھا تھا اور ایک بڑے کاغذ پر خود ہی اُس کو چھپوایا بھی تھا۔ ہمیں علم نہیں کہ حضور آصفیؒ کی خدمت میں بھی یہ قصیدہ پیش ہو چکا تھا یا نہیں (اسمٰعیل)

زمیں سے آسماں تک غلغلہ ہے شادمانی کا
فلک پیری میں دم بھرتا ہے اِن دنوں جوانی کا

نظر آتی ہے بے جام و سبو سب خلق متوالی
ہوا میں نشہ ہے گویا شرابِ ارغوانی کا

نشاط انگیز ہیں ایام دَے خورداد سے بڑھکر
نہیں چلتا جہاں میں زور کچھ بادِ خزانی کا

نہ لے یاں رنج و غم کا بھولکر نام اندنوں کوئی
کہ قبضہ ہے دکن پر آج عیش و کامرانی کا

بہارِ جشنِ آصف جاہ (خلد اللہ ملکہ) سے گلزار ہے عالم
کرے کون انتظار اب فصلِ گل کی گلفشانی کا

خراماں ہیں ہزاروں سروِ قامت شہر و صحرا میں
بجھے گا رنگ کیونکر آج سروِ بوستانی کا

معطر ہے جہاں مشک و عبیر بزم شاہی سے
بھرے بادِ بہاری دم نہ اب عنبر فشانی کا

الاہیں مطربوں کی جیب سُننی چُپ لگ گئی سبکو
بہت دعویٰ تھا مرغانِ چمن کو خوش بیانی کا

نئی دُنیا ہے یہ۔ یا کینچلی بدلی ہے دُنیا نے
کوئی یاں آن کر دیکھے سنگار اس الِ ثانی کا

یہ ہے اس تاجور کی جوبلی کا جشن چل سالہ
کہ جو ہے ملک میں ملجیٰ اقاصی و ادانی کا

دُعائے طولِ عمرِ شاہ پہ ہاتھ اُٹھیں نہ کیوں لاکھوں
کہ ذات اُسکی نمونہ ہے خدا کی مہربانی کا

رعیت شاد۔ ملک آباد۔ اور آزاد ہر ملت
ادا حق کر دیا شاہِ دکن (خلد اللہ ملکہ) نے حکمرانی کا

وہ سُنتے ہیں سدا زندہ جو محبوبِ خلائق ہیں
نظامُ الملک کو مژدہ حیاتِ جاودانی کا

کھلا اُسکی رعیت پروری اور ملک داری سے "جہانبانی حقیقت میں ہی نام اِک گلہ بانی کا"

گدا صبر و شکیبائی پہ اپنی پھر نہ ہو نازاں کرے اندازہ گر شاہوں کے افکار نہانی کا

اُسے ہی فکر بس اپنے لیے نانِ شبینہ کی مگر یاں سوچ اِک عالم کی ہی رحمت رسانی کا

کساں آگاہ ہو گر حکمرانی کے فرائض سے نہ بدلے حکمرانی سے تردد قلبہ رانی کا

ہر اک مذہب۔ ہر اک ملت سے ہے یکساں سلوک اسکا کوئی گر سیکھ لے اس سے جہاں کی پاسبانی کا

تعصب۔ اجنبیت۔ اختلافِ مذہب و ملت نہیں کوئی مزاحم اُسکے دریا کی روانی کا

جہاں ہی مستحق کوئی۔ وہ ہی روزینہ خوار اُسکا دکن سے ختن تک چرچا ہی اُسکی حق رسانی کا

توکل اور قناعت کے بھی اب روزے کھلیں شاید بہت پھیلا ہوا ہی خوان اُسکی میزبانی کا

رہیگا ملک میں باقی نہ ہرگز بے ہنر کوئی یہی انداز ہی یاں گر ہنر کی قدر دانی کا

بنا ہی علیحدہ خود دار الشفا اس عہد فرخ میں ق ۱ یہ ایک تتمہ ہی آصف جاہ کی رحمت رسانی کا

نہیں آصف کو جان اور مال ہرگز دریغ اِن سے ۲ خلاصہ ہی یہ خود حضرت کے ارشاد زبانی کا

گئے وہ دن۔ کہ تھے حملے وبا کے شہر پر پیہم ۳ پڑا تھا خلق کا جوکھوں میں بیڑا زندگانی کا

نہ بنتا تھا غذا سے خونِ صالح جسم انساں میں ۴ جوانوں میں پتا پایا نہ جاتا تھا جوانی کا

ہوا ہی معتدل اب یاں۔ تو صحت بخش ہی پانی ۵ مٹا نام و نشاں امراضِ ضعف و ناتوانی کا

پیئے شہر و سوادِ شہر کا وہ آن کر پانی ۶ جسے چکھتا ہو دنیا میں مزا کوثر کے پانی کا

تمنا دیکھنے کی ہو جسے فردوسِ اوّل کی ۷ سماں دیکھے دکن میں آ کے اس فردوسِ ثانی کا

ہوئے ہیں جس قدر ابوابِ خیر اس عہد میں جاری ۸ کریں اُن کو بیاں! کیا منہ ہی الفاظ و معانی کا

خزانے کا دیا منہ کھول شہ نے اہلِ حاجت پر رعیت کو ہوا جب سامنا قحط و گرانی کا

یتیموں کے لیے دار الیتامیٰ کی بنا ڈالی رہیگا تا قیامت نام زندہ جس سے بانی کا

شفاخانے ہوئے اور درسگاہیں ملک میں قائم ہوا احقاق جو حق تھا ہر اک قاصی و دانی کا

وہ کالج جس نے مردہ قوم میں پھر جان ڈالی ہی ق اِسی منبع سے جاری ہی وہ چشمہ زندگانی کا

وگرنہ قوم میں تعلیم کا ایسا ہی تھا توڑا ۲ کہ ہو گرمی کی شدت میں تڑاقا جیسے پانی کا

علیگڈھ میں رہیگا بن کے دار العلوم یہ کالج ۳ یہی عالم ہے گر بذلِ عطاے خسروانی کا

یہ ایک دریافت سمجھی جائیگی دنیا میں لاثانی ۴ پتا گر مل گیا داد و دہش میں اسکے ثانی کا

نہیں ہے کوئی کام اُس کا رفاہِ خلق سے خالی ق اب آگے کام جان بخشی کا ہو پایا جانستانی کا

غرض اس سے بنی آدم کی جانونکی حفاظت ہے ۲ اگر شوقِ شکار اُس کو ہے شیر نیستانی کا

جو ہوتی اُس کو فرصت صید دلہائے خلائق سے ۳ تو ڈر رہتا درندوں کی نہ پھر ایذا رسانی کا

ہے اسکی قادر اندازی کا شہرہ ایک عالم میں ۴ جسے تا کا کبھی مانگا نہ قطرہ اُسنے پانی کا

دُعا پر مدحتِ شہ ختم کرتا ہے بس اب حالی ۵ نہیں ممکن کہ ہو اُس سے ادا حق مدح خوانی کا

خدا کی مہربانی کا رہے طالب جہاں جبتک — ہو سایہ شاہ و شاہزادہ یہ اُسکی مہربانی کا

رہے آباد یہ گھر الٰہی! رہتی دُنیا تک — کہ مرجع ہے یہ اک عالم کے آمال و آمانی کا

ہر اک منزل میں شہ کا ساتھ دے تائیدِ ربانی — رہے مفتوح در ہر دم فتوحِ آسمانی کا

ہزار دن جشن سالانہ ہوں بعد اس جشن کے یارب — کبھی ٹوٹے نہ ہرگز سلسلہ اس شادمانی کا

نظام الملک (خلد اللہ ملکہ) آصف جاہ سادس آصف ثانی (خلد اللہ ملکہ)

رہے مالک سدا دیہیم و تختِ خسروانی کا

شکریہ تشریف آوری سر چارلس ایچیسن

از طرف طلبائے اینگلو عربک سکول دہلی

(غیر مطبوعہ)

سنہ ۱۸۸۳ء میں آنریبل سر چارلس امفرسٹن ایچیسن صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای لفٹنٹ گورنر صوبہ پنجاب دہلی میں تشریف لائے تھے۔ مولانا اُس وقت اینگلو عربک سکول دہلی میں مدرس عربی تھے۔ یہ نظم اُسی موقع کی ہے۔ جو مولانا نے مدرسہ کے چھوٹے بچوں کے لیے ہز اکسلینسی کے حضور میں پڑھنے کی غرض سے تصنیف فرمائی تھی۔ چونکہ یہ نظم بچوں کی طرف سے بطور شکریہ تشریف آوری کے لکھی گئی تھی لہذا زبان نہایت ہی سلیس اور آسان رکھی ہے۔ مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب (نبیرۂ مولانا حالی) جو اس زمانہ میں مدرسہ مذکور کی جماعت پنجم میں تعلیم پاتے تھے اس نظم کے پڑھنے کے لیئے منتخب کیے گئے چنانچہ اُنہوں نے گورنمنٹ ہائی سکول میں جہاں دہلی کے جملہ مدارس کے طلبہ جمع کیے گئے تھے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے سامنے اِس نظم کو پڑھا تھا۔ اِس طرح کہ ہر بند کے چار مصرعے خواجہ غلام الحسنین صاحب پڑھتے تھے اور پچھلے دو مصرعے پانچ طالبعلم ایک ساتھ مل کر گاتے تھے۔ یہ نظم جو بیان کی فصاحت اور زبان کی سلاست کے لحاظ سے اُردو لٹریچر کا ایک بہترین نمونہ ہے آج تک کہیں نہیں چھپی تھی۔ جب مولانا مرحوم نے سنہ ۱۸۹۳ء میں اپنے دیوان کو مرتب کر کے چھپوایا اُسوقت بھی اِسکا مسودہ اُنکے پاس موجود نہ تھا اور اِسی لیے یہ نظم دیوان میں شامل نہ ہو سکی۔ مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب کو صرف چار بند یاد تھے جو اُنکی زبانی بطور یادگار درج کئے گئے۔ افسوس ہے کہ پوری نظم کا دستیاب ہونا بظاہر حالات ناممکن معلوم ہوتا ہے (اسماعیل)

حضور تشریف جبکہ لائیں   تو کیوں نہ آنکھوں کو ہم بچھائیں

خوشی سے کیونکر نہ گیت گائیں؟ بدن میں پھولے نہ ہم سمائیں

کہاں یہ قسمت کہ آپ آئیں

ہماری یوں آبرو بڑھائیں

حضور نے کی جو یہ عنایت کہ آکے دی مدرسے کو عزت

گھٹی نہ کچھ اس سے شانِ حضرت مگر بڑھا دی ہماری وقعت

کہاں یہ قسمت کہ آپ آئیں

ہماری یوں آبرو بڑھائیں

یہ دھوم سنتے تھے ہم برابر کہ آپ تعلیم کے ہیں یاور

سو آگیا آج ہم کو باور کرم کیا آپ نے جو آکر

کہاں یہ قسمت کہ آپ آئیں

ہماری یوں آبرو بڑھائیں

حضور پُر نور سر الجبین ہوئے ہیں یاں جب سے سایہ افگن

یہ آرہا شہر پر ہے جو بن بنی ہے دِلی تمام گلشن

کہاں یہ قسمت کہ آپ آئیں

ہماری یوں آبرو بڑھائیں
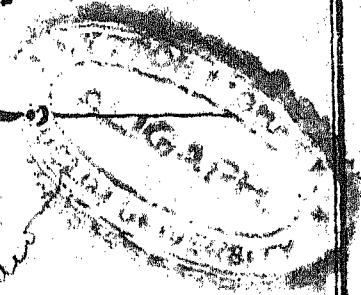
سیدہ

[غیر مطبوعہ]

سیدہ خاتون جو آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی بچی اور مولانا کی نواسی ہے اپنی باتوں اور اچھی عادتوں کی وجہ سے مولانا کو بہت پیاری تھی۔ نیچے کے اشعار اُس محبت کو ظاہر کرتے ہیں جو مولانا کو اس چھوٹی بچی سے تھی یہ تینوں اشعار ایک کتاب "انفاس العارفین" کے آخری صفحہ پر (جو مولانا کی لائبریری میں موجود ہے) خود مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ملے ہیں۔ پہلا مصرعہ کاغذ کے کٹ جانیکے سبب پڑھا نہ جا سکا لہذا "مجبوراً" بعینہ نقل کردیا گیا (اسمٰعیل)

مہر ۔ ر ملاپ ۔ سہم تم ہو	تم سے وہ کم نہ اُس سے کم تم ہو
لاکھ بھی ہو تو خاک ہے مجھ کو	میری تو دولت و حشم تم ہو
کیسی پیاری زباں ہے سیدی!؟	یہ تو اللہ کی قسم تم ہو

حالی کے اُستاد

[منقول از اخبار "عصر جدید" میرٹھ مورخہ ۷ جنوری سنہ ۱۹۱۵ء]

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہے
غالب کا معتقد ہے ۔ مقلد ہے میر کا

~~~~~~~~~~

دوست کا درجہ

[غیر مطبوعہ]

دوست اور بھائی ہیں دونوں قوت بازو مگر	جب کریں گے وزن ۔ پلہ دوست کا ہوگا گراں
دوست گر بھائی نہ ہو تو اسمیں کچھ نقصان نہیں	گر نہ بھائی دوست ہو ۔ بدخواہ ہے وہ بے گماں
~~~~~~~~~~

ایک ترمیم شدہ شعر

(غیر مطبوعہ)

مطبوعہ دیوان میں ایک جگہ مولانا فرماتے ہیں ؎

سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے — کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو

کلیات نظم اردو مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا تو مولانا نے دیوان پر بھی نظر ثانی کی اور اُسمیں کہیں کہیں جزوی ترمیم و تنسیخ کی چنانچہ مندرجہ بالا شعر کاٹ کر اُسکی جگہ حسب ذیل شعر لکھا جو نیا شعر کہا جا سکتا ہے اور اسی خیال سے ہم اُس کو یہاں درج کرتے ہیں۔ اسکے شائع کرنیکا کوئی اور موقع تھا بھی نہیں (اسمٰعیل)

ہو بولی ٹھٹولی کا جہاں نام فصاحت
وہاں کون لگا ماننے حالی کے سخن کو

ایک مطبوعہ غزل کے باقیماندہ اشعار

(منقول از "پیچم صاحب کی جنتری ۱۸۷۵ء" صفحہ ۱۱)

مولانا کے دیوان میں ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے ؎

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا — رو رو کے ہکو اور رُلانا ضرور تھا

اسی غزل کے متعلق ہم کو یہ دو شعر ملے ہیں جو دیوان میں نہیں ہیں (اسمٰعیل)

کیونکر کہوں کہ تم مرے مرنے سے شاد تھے — چہرہ تھا کیوں اُداس؟ جو دل میں سُرور تھا
زاہد کو گر عبادت و تقویٰ پہ تھا گھمنڈ — ہم کو بھی انفعال پہ اپنے غرور تھا

"محسن الملک" کی قومی ہمدردی

[منقول از "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" جلد ۴۳ نمبر ۱ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۸ء]

۱۹۰۷ء میں "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کا اکیسواں جلسہ "کراچی" میں منعقد ہوا تھا مولانا حالی اس دفعہ صدر جلسہ تھے۔ اُسی سال "نواب محسن الملک" کا انتقال ہو گیا۔ مولانا نے اپنی صدارتی تقریر کے آغاز میں اس بے وقت ماتم پر سخت اظہار تاسف کرتے ہوئے اُن بے انتہا کوششوں کے بیان کے دوران میں جو محسن الملک مرحوم نے قوم کو خواب غفلت سے جگانے اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی و بہبودی کے لیے کیں مندرجہ ذیل دو شعر نواب صاحب کی شان میں پڑھے تھے (اسماعیل)

مدراس میں سوتوں کو جگایا جاکر
غلُ علم کا برھما میں مچایا جاکر

چھائی ہوئی مردنی جہاں قوم میں تھی
واں آبِ حیات اُن کو پلایا جاکر

قدر و منزلت کس جگہ ہوتی ہے؟

[منقول از "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۲ء]

موتی ہزار۔ قعر سمندر میں ہوں نہاں
پر یہ بتاؤ۔ اُن کا خریدار ہے کہاں؟
کھلتے ہیں پھول سینکڑوں۔ ویران دشت میں
ہے کون رنگ و بُو کا وہاں اُنکے قدرداں؟

مندرجہ بالا اشعار مشہور انگریزی شاعر Grey کے اشعار کا ترجمہ ہیں جو نواب حاجی محمد اسحٰق خانصاحب مرحوم آنریری سکرٹری محمڈن کالج علیگڈھ کے برادر معظم کی فرمائش پر مولانا نے کیا تھا۔ گرے کے اشعار حسب ذیل ہیں:۔

Full many a gem of purest ray serene,
The dark unfathomed caves of ocean bear;
Full many a flower is born to blush unseen,
And waste its sweetness on the desert air.

Mr. Hill ~~was~~ seems to be a man of Slavish Mentality. (Your ignorance

۸۔ قصیدۂ نعتیہ یا عرضِ حال بحضور سرورِ کائنات۔ فلیکپ ایک رقعہ پر خوشنما چھپا ہوا قیمت ۱ر

۹۔ ایک بیوہ کی مناجات۔ نہایت ہی دردناک اور حسرت خیز نظم ہے ۔ ۔ ۔ قیمت ۳ر

۱۰۔ شکوۂ ہند۔ مسلمانوں کی گذشتہ شان و شوکت اور تہذیب و تمدن کا بیان قیمت ۳ر

۱۱۔ مثنوی حقوقِ اولاد۔ اولاد کی باقاعدہ تربیت نہ کرنے کے ہولناک نتائج قیمت ۵ر

۱۲۔ تحفۃ الاخوان۔ مشہور ترکیب بند ہے۔ نہایت خوشنما چھپا ہوا . . . . قیمت ۵ر

۱۳۔ چپ کی داد۔ یہ نظم سلاستِ زبان کے لحاظ سے لٹریچر کا بہترین نمونہ ہے قیمت ۲ر

۱۴۔ ضمیمہ کلیاتِ نظم حالی۔ مولانا کی تمام فارسی و اردو نظم و نثر کا بے بہا مجموعہ قیمت [illegible]

دیگر مصنفین کی تصانیف

۱۔ حیاتِ حالی۔ مولانا حالی کی مختصر با تصویر سوانح عمری ۔ ۔ ۔ قیمت ۶ر

۲۔ اصول و اخلاقِ اسلام۔ (مصنفہ خواجہ غلام الثقلین صاحب) بہت آسان اور سلیس زبان میں خورد سال بچوں کے لیے دینیات میں نہایت مفید و جامع رسالہ ہے۔ حال میں مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب نے بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے۔ اکثر اسلامی مدارس میں داخلِ درس ہے . . . . قیمت ۴ر

۳۔ لغات القرآن۔ اس عجیب لغت کی مدد سے ایک بچہ بھی تین چار مہینے میں تمام قرآن مجید کے معنی بغیر ترجمہ دیکھے فر فر یاد کر سکتا ہے۔ نہایت مفید کتاب ہے . . . . . . قیمت مجلد [illegible]

۴۔ قبولیتِ دعا کے طریق۔ اس میں نہایت جامعیت کے ساتھ بہت آسان زبان میں تمام وہ طریقے بتائے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے . . . . قیمت ۴ر

۵۔ انگریزی خالق باری۔ یہ کتاب چھوٹے بچوں کو ابتدائی طور پر انگریزی سکھانے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے جس میں انگریزی الفاظ کے معنی اردو اشعار میں نہایت دلچسپ طریقہ پر نظم کیے گئے ہیں . . . . قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ:- شیخ محمد اسمٰعیل منیجر حالی بکڈپو پانی پت

منشی عبدالعزیز خاں صاحب کے اہتمام سے عزیزی پریس آگرہ میں چھپوا کر شائع کیا